ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
10 تا 16 جنوری 2002ء

☆ آہ، مولانا سید مظفر حسین ندوی (یادِ رفتگاں)
☆ جنرل صاحب! خلق خدا کی بھی سن لیں (تجزیہ)
☆ اسلامی انقلاب کا نبویؐ طریق کار (منبر و محراب)
☆ اب ہمیں ہوش آ جانا چاہئے (مکتوب شکاگو)

نفاذِ اسلام کی طرف پیش رفت
کے ضمن میں مجوزہ دستوری ترامیم

الحمد للہ کہ ہمارے دستور میں ''قراردادِ مقاصد'' دفعہ ۲ (الف) کی حیثیت سے موجود ہے جو اصولی اعتبار سے اسلامی ریاست یا نظام خلافت کے پورے اساسی فلسفے کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اس کے ضمن میں صرف اس چند لفظی صراحت کی مزید ضرورت ہے کہ ''یہ قرارداد پورے دستور پر کلی طور پر حاوی ہو گی''۔

نیز، دفعہ ۲۲۷ (الف) کو اس تشریح کے اضافے کے ساتھ کہ ''قرآن اور سنت رسولؐ کو پاکستان کے اعلیٰ ترین قانون کی حیثیت حاصل ہو گی'' دفعہ ۲ (ب) کی حیثیت سے قرارداد مقاصد کے ساتھ ملحق کر دیا جائے۔

اسی طرح دفعہ ۴۵ میں یہ صراحت کی جائے کہ صدر مملکت اس دفعہ کے تحت حاصل شدہ اختیار کو شرعی حدود کے ضمن میں شریعت اپیلٹ بنچ آف سپریم کورٹ آف پاکستان کے فیصلوں میں کسی کمی یا تبدیلی کے لئے استعمال نہیں کر سکیں گے۔

مزید برآں نفاذِ شریعت کے اس عمل کو مؤثر بنانے کے لئے حکومت کو چاہئے کہ فیڈرل شریعت کورٹ اور سپریم کورٹ آف پاکستان کے شریعت اپیلٹ بنچ کے جج صاحبان کی شرائط ملازمت کو ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے جج صاحبان کے مساوی بنایا جائے اور ان میں مستند اور جید علماء کی معتدبہ تعداد کی شمولیت لازمی بنائی جائے۔ فیڈرل شریعت کورٹ کے قیام کے بعد اسلامی نظریاتی کونسل ایک غیر ضروری ادارہ ہے، اسے ختم کر کے اخراجات کی بچت کی جائے۔ گویا دستور کی دفعہ ۲۲۷ کی شق (i) اور (iii) کے علاوہ دستور کے پورے حصہ نہم کو ختم کر دیا جائے۔

تجویز کردہ **ڈاکٹر اسرار احمد** امیر تنظیم اسلامی

الھدیٰ

سورۃ البقرہ (۵۰)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرَّحیم

﴿بَلٰی مَنْ کَسَبَ سَیِّئَۃً وَّاَحَاطَتْ بِہٖ خَطِیْئَتُہٗ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ ۚ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ○ وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ قف وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ط ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْکُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ○﴾ (آیات : ۸۱تا ۸۳)

’’کیوں نہیں! جس نے بھی (جان بوجھ کر) ایک بڑا گناہ کمایا' اور پھر اس گناہ کی شامت نے اسے اپنے گھیرے میں لے لیا' تو ایسے لوگ اہل دوزخ میں سے ہوں گے' جو اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور وہ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے' وہ جنتی ہیں' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور (یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل سے یہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرنا' اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور (ایسا ہی سلوک) قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں سے (روا رکھنا) اور لوگوں سے اچھی بات کہنا' اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو' پھر تم نے اپنے میں سے کچھ لوگوں کے سوا' اس (عہد) سے روگردانی کی' اور تم تو اعراض کرنے والے ہی تھے۔‘‘

زیر درس پہلی آیت میں بڑے گناہوں کو مستقل طور پر اختیار کرنے والے افراد کو بڑی سخت تنبیہہ کی گئی ہے اور اسے پڑھتے وقت خشیت الٰہی سے لرز جانا چاہئے کہ اس کے مطابق اگر کوئی شخص جانتے بوجھتے کسی ایک بڑے گناہ کا بھی مسلسل ارتکاب کرتا رہتا ہے تو اس کا ٹھکانہ مستقل طور پر دوزخ ہوگا۔ انسان سے سرزد ہونے والے چھوٹے گناہوں کو تو اللہ تعالیٰ اس کی نیکیوں کے ذریعے ختم کرتے رہتے ہیں لیکن کبیرہ گناہوں میں سے کسی ایک کو بھی اپنا معمول بنا لینے والے انسان کے لئے جہنم کی آگ ہی مقدر ٹھہرتی ہے۔ انسان سے غیر شعوری طور پر جو غلطیاں سرزد ہوتی ہیں' انہیں صغائر کہا جاتا ہے جبکہ اس آیت میں سیئۃ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس سے مراد بڑا گناہ ہے۔ مثلاً سود ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ اگر کسی شخص نے اپنا معاش اسی پر استوار کر رکھا ہے اور اپنی خوراک' لباس اور دوسری ضروریات زندگی کی تکمیل اسی سے وابستہ کر رکھی ہے تو گویا وہ مکمل طور پر اس گناہ کے گھیرے میں آچکا ہے۔ اب وہ اپنے طور پر چاہے کتنا ہی مومن بنا پھرے لیکن حقیقتاً وہ اس راستے پر چل رہا ہے جس کی منزل دوزخ ہے۔ ایسی خطاؤں سے بخشش کا راستہ سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ انسان اپنی پچھلی غلطی پر سچے دل سے اور پورے اخلاص کے ساتھ توبہ کرے جبکہ آئندہ کے لئے اس سے بچنے کی حتی المقدور کوشش کرے۔ علماء کے نزدیک معصیتیں اور گناہ ایک طرح سے کفر ہی کی شاخیں ہیں۔ جب کوئی گناہ انسان کا مستقل طور پر احاطہ کر لیتا ہے تو حضور اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق اس کے دل پر داغ لگتے رہتے ہیں' یہاں تک کہ پورا دل پہلے تو سیاہ ہو جاتا ہے اور پھر نیکی اور ہدایت کے لئے بند ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ اللہ تعالیٰ پر خلوص دل کے ساتھ ایمان لاتے ہیں اور صالح اعمال پر کاربند رہتے ہیں' وہ قرب الٰہی کے مستحق ٹھہریں گے اور ہمیشہ کے لئے جنت میں رہیں گے۔

زیر درس تیسری آیت میں اس پانچ نکاتی عہد کا تذکرہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے لیا تھا۔ یہ درحقیقت دین کی بنیادی تعلیمات ہیں۔ ان کے مطابق سب سے پہلے انہیں توحید پر کاربند رہنے کا حکم دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی پرستش نہ کی جائے۔ اس کے بعد والدین کا ادب' احترام اور ان کی خدمت کرنے کی ہدایت ہے۔ ماں باپ کے ساتھ ساتھ قریبی رشتہ دار' یتیم بچے اور مفلس و نادار افراد بھی اسی حسن سلوک کے مستحق ہیں۔ پھر امر بالمعروف کی تعلیم دی گئی کہ دوسرے لوگوں کے ساتھ ہمیشہ خیر کی بات کی جائے اور انہیں بھلائی کی طرف بلایا جائے۔ اسی طرح نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کو کہا گیا۔ یہ تمام تعلیمات دین کے لئے اساس کی حیثیت رکھتی ہیں لیکن بنی اسرائیل کے معدودے چند نیک لوگوں کے سوا باقی سب نے اس میثاق سے منہ موڑ لیا اور ان احکام سے پہلو تہی کی۔ ☆ ☆ ☆

رزق حلال کی فضیلت

فرمان نبوی

چوہدری رحمت اللہ بٹر

عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِیْجٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْکَسْبِ اَطْیَبُ قَالَ : ((عَمَلُ الرَّجُلِ بِیَدِہٖ وَکُلُّ بَیْعٍ مَّبْرُوْرٍ)) [رواہ احمد]

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ پوچھا گیا اے اللہ کے رسول ﷺ! کون سی کمائی زیادہ پاک اور اچھی ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

’’آدمی کا اپنے ہاتھ سے کوئی کام کرنا اور ہر وہ تجارت جو پاک بازی کے ساتھ ہو۔‘‘

اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے انسانی مزدوری کو کتنا اعزاز بخشا ہے لیکن آج کے مسلمان معاشرے میں اس شخص کی کوئی وقعت نہیں ہے جو ہاتھ سے کام کرنے والا ہے بلکہ زمیندار اور کارخانہ دار اپنے آپ کو بہت معزز خیال کرتے ہیں اور مزدوروں کو کہتر۔ وہ کام جو انسان اپنے ہاتھ یا اپنی محنت سے کرتا ہے بہت سی خرابیوں سے مبرا ہوتا ہے جبکہ دوسروں سے روپیہ پیسہ کی بنیاد پر کام کروانے میں بہت سی خرابیوں کا احتمال ہوتا ہے۔

ہمارے ملک میں معیشت کی بدحالی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ یہاں لیبر کی قدر نہیں ہے اور مڈل مین نے تجارت میں خرابیاں پیدا کر رکھی ہیں جو صرف پیسہ کی بنیاد پر ناجائز کمائی اور ناجائز منافع حاصل کرتا ہے۔ جن ممالک میں یہ بیماریاں نہیں ہیں وہ دنیا میں خوشحالی کی زندگی گزار رہے ہیں اور ان کی تجارت بھی بام عروج پر ہے۔ کاش ہم اپنے دین اور اپنے رسول ﷺ کا فرمان سمجھ کر ہی اس اصول کو اختیار کر لیں اور دیانت داری اور سچائی کے ساتھ ہر شخص کی محنت کا بھرپور صلہ مقرر کر لیں تو بہت جلد اپنے ملک کی ساکھ بحال کر لیں۔ یہاں راتوں رات امیر بننے کے شوق کا جس نے ناجائز کو وقعت دے دی ہے اور جائز کو اہانت آمیز قرار دے دیا ہے۔ حالانکہ اصول تو یہ ہونا چاہئے کہ محنت سے کمائی کر کے دوسروں کو بھی اس سے استفادہ کا موقع دیا جائے اور آخرت میں بھی سرخروئی حاصل کی جائے۔ جیسا کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جس کو جائز اور پاک ذرائع سے مال و دولت نصیب ہو اور وہ صحیح مصارف میں خرچ ہو تو یہ اللہ کا خاص فضل ہے۔ نعم المال الصالح للمرء الصالح صالح بندہ کے لئے جائز و پاکیزہ مال قابل قدر نعمت ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ

حافظ عاکف سعید

کوئی رسوائی سی رسوائی ہے!

آج کے نوائے وقت میں نیویارک ٹائمز کے حوالے سے ایک اہم خبر شائع ہوئی ہے۔ اس خبر کے حوالے سے بھی اور آج کے اخبارات میں شائع شدہ بعض دیگر خبروں سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ہم ملکی وقومی سطح پر کس مہیب گرداب میں پھنس چکے ہیں اور ذلت ورسوائی کا عذاب کس خوفناک انداز میں ہم پر مسلط ہو چکا ہے۔

نیویارک ٹائمز کی خبر کے مطابق جنرل پرویز مشرف پر امریکہ اور برطانیہ کی طرف سے بڑا شدید دباؤ ہے کہ وہ مکمل طور پر دہشت گردی بند کروائیں اور کشمیر میں مصروف عمل مذہبی انتہا پسندوں کے خلاف اقدامات کریں جس کے لئے بھارت طویل عرصے سے کوشاں ہے۔ امریکی روزنامے کے مطابق جنرل مشرف گزشتہ ہفتے یہ دیکھ کر کہ کشمیر کے حوالے سے کشیدگی بڑھ کر اب پاک بھارت جنگ میں تبدیل ہونے والی ہے' اس درجے پریشان ہوئے کہ انہوں نے پاکستان میں امریکی سفیر وینڈی چیمبرلین کو ٹیلی فون کیا اور ان سے پوچھا کہ امریکہ بھارت کی حمایت میں کہاں تک جانا چاہتا ہے؟ اس خبر پر تبصرہ تو ہم آئندہ سطور میں کریں گے' تاہم صدر پاکستان سے یہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ''جناب صدر! آپ امریکی حمایت بلکہ امریکی غلامی میں کہاں تک جانا چاہتے ہیں؟'' اسی طرح کی ایک خبر اسلام آباد میں مقیم ایک اخباری تجزیہ نگار کی طرف سے شائع ہوئی ہے جس کی شہ سرخی کچھ اس طرح ہے: ''امریکہ نے آنکھیں پھیر لیں' ٹونی بلیئر کو سختی کے ساتھ بات کرنے کے لئے کہا۔'' ذیلی سرخی ملاحظہ ہو: ''برطانیہ اور امریکہ اس وقت پوری طرح بھارت کے ساتھ کھڑے ہیں: ماہرین'' اسی خبر میں مزید اطلاع یہ بھی ہے کہ صدر نے انتہا پسندوں کے خلاف کارروائی کے لئے کمانڈروں سے مشورہ مکمل کر لیا ہے۔

اسی تناظر میں امریکی صدر بش کا ایک نہایت معنی خیز بیان آج کے اخبارات میں شائع ہوا ہے۔ وہائٹ ہاؤس میں اخبار نویسوں کے سوالات کے جواب میں انہوں نے کہا کہ ''پاکستان اور بھارت دونوں ایٹمی ممالک کے درمیان صورت حال نہایت نازک موڑ میں داخل ہو چکی ہے لیکن ہم سفارتی و دیگر ذرائع سے دونوں ممالک کو اس بات کی طرف لا رہے ہیں کہ جنگ کے بادل چھٹ جائیں کیونکہ دونوں ممالک کے درمیان جو کشیدگی پیدا ہو چکی ہے اسے دور کرنے سے ہی مشرق وسطیٰ میں قیام امن کی راہ ہموار ہو سکتی ہے۔'' ...... گویا ''ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ!'' پاک بھارت کشیدگی کا مشرق وسطیٰ کے امن سے کیا تعلق؟ ...... جی ہاں' ایک تعلق ہے جو سطور ذیل میں واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی ...... مذکورہ بالا اخباری اطلاعات کو اگر سامنے رکھیں تو درج ذیل نتائج حاصل ہوتے ہیں:

۱۔ پاکستان کی امریکہ کے بارے میں یہ توقع کہ ۱۱ ستمبر کے بعد امریکی حمایت کی پالیسی اختیار کرنے پر آئندہ اس خطے میں امریکہ ہمارا حمایتی ثابت ہوگا اور دوستی کے دیرپا تعلقات استوار ہوں گے' نقش بر آب ثابت ہوئی۔ یاد رہے کہ ہمارے سرکاری حلقوں' سیکولر مزاج دانشوروں اور غیرت وحمیت دینی سے محروم بعض نام نہاد اسلامی سکالروں نے صدر مشرف کی اس ''حکیمانہ پالیسی'' پر بغلیں بجا بجا کر اس خوشی کا اظہار کیا تھا کہ اس پالیسی کے ذریعے ہم نے بھارت کو امریکہ سے دور کر دیا ہے' بھارت اپنی ناکامی پر پیچ وتاب کھا رہا ہے اور اب کشمیر کاز میں ہمیں امریکہ کی بھرپور حمایت حاصل ہوگی ...... ایسے کور چشموں کو اب اپنی عقل کا ماتم کرنا چاہئے!

۲۔ امریکی سفیر وینڈی چیمبرلین کا قسمیں کھا کھا کر یہ یقین دہانیاں کرانا بھی دھوکہ اور فریب ثابت ہوا کہ آئندہ امریکہ کا رویہ پاکستان کے ساتھ دوستی اور حمایت پر مبنی ہوگا ــــ ہم کو ان سے وفا کی ہے امید ......!

۳۔ امریکہ اور اس کا بغل بچہ برطانیہ' موجودہ پاک بھارت کشیدگی میں پورے طور پر بھارت کے ساتھ ہیں۔ بھارت کو اس معاملے میں امریکہ اور اس کی حلیف عالمی طاقتوں کی مکمل اشیرباد حاصل ہے۔ امریکہ نے پاکستان کے ساتھ روایتی بے وفائی اور طوطا چشمی کا معاملہ کیا ہے۔ ۱۱ ستمبر کے واقعات کی گرد ابھی پورے طور پر بیٹھنے بھی نہ پائی تھی کہ امریکہ نے بدترین بے وفائی کا مظاہرہ کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کیا۔

۴۔ امریکہ اب بھارت کے ذریعے کشمیر میں جاری جہاد کو دہشت گردی کے خاتمے کی آڑ میں بیخ و بن سے اکھاڑنے کے درپے ہے اور ہمارے اس ''کشمیر کاز'' کو ملیامیٹ کرنے پر تلا ہوا ہے جس کی حفاظت کے لئے ہم نے اللہ کو ناراض کر کے اس کا دامن پکڑا تھا۔ چنانچہ آج مضبوط اعصاب کے مالک ہمارے صدر صاحب گھبرا کر سفیرہ سے پوچھنے پر مجبور ہوئے کہ ''امریکہ بھارت کی حمایت میں آخر کہاں تک جانا چاہتا ہے۔''

تحریک خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ

لاہور

ندائے خلافت

جلد 11 شمارہ 2

10 تا 16 جنوری 2002ء

(۲۵ شوال تا یکم ذیقعد ۱۴۲۲ھ)

بانی: اقتدار احمد مرحوم

مدیر: حافظ عاکف سعید

نائب مدیر: فرقان دانش خراسانی

معاونین: مرزا ایوب بیگ' سردار اعوان

محمد یونس جنجوعہ

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: اسعد احمد مختار' طابع: رشید احمد چوہدری

مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

فون: 03-5869501 فیکس: 5834000

E-Mail:anjuman@tanzeem.org

Website:www.tanzeem.org

قیمت: 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون:

اندرونِ ملک ...... 250 روپے

بیرونِ پاکستان:

☆ یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ

.... 1500 روپے

☆ امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ

.... 2200 روپے

ہر مسلمان پر اللہ کے دین کے قیام کی جدوجہد فرضِ عین ہے

حضور ﷺ کے انقلابی طریق کار پر عمل پیرا ہو کر ہی اسلامی انقلاب برپا کیا جا سکتا ہے

حضور ﷺ کے فلسفۂ انقلاب کو سمجھنے کی غرض سے سیرتِ طیبہ کا مطالعہ عصرِ حاضر کی اہم ضرورت ہے

دستورِ پاکستان کی اسلامی دفعات کو مؤثر کرنے کے لئے ترامیم کر دی جائیں تو نفاذِ شریعت کا عمل پُرامن طریقے سے شروع ہو سکتا ہے

دفاعِ افغانستان و پاکستان کونسل کو نفاذِ شریعت کے لئے دستور میں ترامیم کی تحریک شروع کرنی چاہئے

پاکستان کی حد تک ملک میں نفاذِ اسلام کا ایک دوسرا طریقہ بھی ممکن ہے

انتخابی سیاست کے ذریعے ملک میں بڑی تبدیلی نہیں لائی جا سکتی

مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے ۴ جنوری ۲۰۰۲ء کے خطابِ جمعہ کی تلخیص

قرآن و حدیث کی رو سے یہ خبر یقینی ہے اور محکمات میں سے ہے کہ قیامت سے قبل کُل روئے ارضی پر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہو گی۔ تاہم یہ معاملہ کہ کب قائم ہو گی اور کہاں سے اس کا آغاز ہو گا' یہ امر متشابہات میں سے ہے۔ البتہ اس بارے میں کئی احادیث موجود ہیں جن میں کچھ اشارات موجود ہیں' جن سے انسان اپنی سوچ کے مطابق نتیجہ نکالتا ہے جو بہرکیف حتمی نہیں ہوتا۔ اس ضمن میں ہمارے لئے امر محکم یہ ہے کہ ہر مسلمان پر اللہ کے دین کے قیام کے لئے جدوجہد کرنا فرض عین ہے اسی کا نام جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ احادیث نبویہ کی رو سے اس کے لئے التزام جماعت لازم ہے' جس طرح وضو کے بغیر نماز نہیں ہوتی ایسے ہی جماعت کے بغیر اقامت دین کی جدوجہد نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد اسی ضمن میں ایک اور محکم اصول یہ ہے کہ دین جب بھی قائم ہو گا حضرت محمد ﷺ کے طریقے کے مطابق ہو گا۔

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بہ منزل نخواہد رسید

وہ شخص ہرگز منزل پر نہیں پہنچ پائے گا جو رسول ﷺ کے طریقے کے علاوہ کوئی اور طریقہ اختیار کرے' جیسا کہ سورۂ احزاب کی آیت ہے: ﴿لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ﴾ البتہ قرآن حکیم نے اسوۂ رسولؐ سے استفادے کی کچھ شرطیں مقرر کی ہیں یعنی جو شخص اللہ کی طرف لوٹنے' اس کے حضور حاضر ہونے پر یقین رکھتا ہو' جو جزاوسزا اور عذاب اخروی پر گہرا یقین رکھتا ہو اور اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرتا ہو تو ایسا شخص اسوۂ رسول ﷺ سے استفادہ حاصل کر سکے گا۔ غور طلب امر یہ ہے کہ یہ آیت غزوہ احزاب کے تناظر میں وارد ہوئی ہے۔ اس اعتبار سے ہمیں دیکھنا ہو گا کہ غزوۂ احزاب میں حضور ﷺ کا خصوصی کردار (اسوہ) کیا تھا؟ اقامتِ دین کے لئے جو جدوجہد اور کوششیں حضور ﷺ نے کیں' جو مصائب جھیلے' فاقہ کشی کے باعث پیٹ سے پتھر باندھے اس کا کلائمیکس ہمیں غزوہ احزاب (غزوۂ خندق) کے موقع پر نظر آتا ہے۔ یہ ہے رسول اکرم ﷺ کا طرزِ عمل اور اصل اسوہ جس کی طرف اہل ایمان کی توجہ سورۂ احزاب میں دلائی گئی ہے۔

اگرچہ مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے دایاں پاؤں رکھنا بھی سنت رسول ﷺ ہے' اگر آپ ایسا کریں گے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ نظم و ضبط کے پابند ہیں اور کسی کے نقش قدم کی پیروی کر رہے ہیں۔ اسی طرح سوتے وقت اتباعِ رسول کی نیت سے دائیں طرف قبلہ رُو ہو کر' دائیں گال کے نیچے دایاں ہاتھ رکھ کر لیٹنا بھی سنتِ رسولؐ ہے۔ اسی طرح دیگر چھوٹی سنتوں میں سب سے بڑی سنت داڑھی رکھنا ہے جس کی پیروی بھی ہر مسلمان کے لئے لازم ہے' لیکن جو کام حضور ﷺ نے تیئس برس تک مسلسل کیا ہے وہ دعوتِ دین اور اقامتِ دین کی جدوجہد ہے۔ اس بڑی سنت سے ہم اگر روگردانی کریں تو اس کی تلافی ان چھوٹی چھوٹی سنتوں سے نہیں ہو سکتی۔ حضور ﷺ کا یہ مبارک اسوۂ یعنی دعوت و اقامت دین کے لئے پیہم اور منظم جدوجہد ہمارے سامنے ہے۔ ایک مسلمان کی زندگی کا رخ اس کے مطابق استوار ہونا چاہئے۔ پوری دنیا مانتی ہے کہ جو انقلاب حضور ﷺ نے برپا فرمایا' وہ انسانی تاریخ کا عظیم ترین انقلاب تھا۔ ڈاکٹر مائیکل ہارٹ نے اپنی کتاب میں پوری تاریخ انسانی میں سے ایسے سو انسان منتخب کئے جنہوں نے تاریخ انسانی کے دھارے کو موڑ دیا' پھر ان میں گریڈ قائم کئے' تو اس نے پہلے نمبر پر حضور ﷺ کا ذکر کیا ہے۔ اس پہلو سے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم جائزہ لیں کہ آپؐ نے یہ انقلاب کیسے برپا کیا۔ اس کام کے لئے سیرت کا باریک بینی سے مطالعہ کیا جائے' فلسفۂ سیرت کو سمجھا جائے' مثلاً آپؐ نے کسی مرحلے پر اگر یہ کیا تو کیوں کیا؟ اگر کسی دور میں حکم دیا کہ چاہے تمہیں مار پڑے لیکن تم جوابی کارروائی نہیں کرو گے' تو اس کی کیا حکمت تھی' جبکہ قرآن تو یہ اصول دیتا ہے کہ اگر کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی بدلہ لے سکتے ہو۔ قانون تو یہ ہے کہ برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے۔ لیکن یہ قانون مسلمانوں کے حق میں ۱۲ برس تک ساقط رہا۔ حضرت خبابؓ کو ننگی پیٹھ دہکتے انگاروں پر لٹا دیا گیا' انہوں نے حضور ﷺ کے حکم کی وجہ سے جوابی کارروائی نہیں کی۔ آخر کیوں؟ اس فلسفۂ سیرت کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

سورۂ مائدہ میں فرمایا گیا: ﴿لکل جعلنا منکم شرعۃ و منہاجاً﴾ ہم نے ہر نبی اور رسول کے لئے ایک شریعت اور ایک منہاج مقرر کیا ہے۔ جس طرح تمام رسولوں کا دین ایک تھا لیکن شریعتیں جدا جدا تھیں' اسی طرح تمام رسولوں کا غلبہ و اقامت دین کے لئے الگ الگ طریق کار اور منہاج تھا۔ ہمارے لئے منہاج محمدیؐ کے مطابق کام کرنا واجب ہے۔ اس کے لئے دو عظیم شخصیات کے اقوال موجود ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے جب حضرت عمرؓ کو اپنے جانشین کی حیثیت سے نامزد کیا تو اس موقع پر جو خطبہ

دیا اس کے الفاظ ہیں: "یہ جو امرِ خلافت ہے (جس کے لئے میں نے حضرت عمرؓ کو اپنے خلیفہ کی حیثیت سے نامزد کیا) اس کے آخری حصے کی اصلاح نہیں ہو سکے گی مگر اسی طرح پر جس طرح پہلے حصے کی ہوئی"۔ ایک صحیح حدیث میں تو یہ بات صریح الفاظ میں موجود ہے کہ پہلا دور دورِ نبویؐ ہے' پھر دور خلافت علیٰ منہاج النبوۃ ہے' پھر ظالم ملوکیت ہے' پھر غلامی والی ملوکیت ہے' آخر میں قیامت سے پہلے پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ ہے۔ گویا امت میں اوّل بھی خلافت علیٰ منہاج النبوۃ اور آخر بھی خلافت علیٰ منہاج النبوۃ ہے۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آخری خلافت علیٰ منہاج النبوۃ بھی اسی طرح قائم ہو گی جیسے پہلے دور کی خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہوئی تھی یعنی جیسے حضور ﷺ نے قائم کی تھی۔ حضرت امام مالکؒ سے بھی اسی ضمن میں ایک قول منقول ہے کہ اس امت کے آخری حصے کی اصلاح اسی طرح ہو گی جس طرح امت کے پہلے حصے کی ہوئی تھی۔

لہٰذا یہ بات محکم ہے کہ خلافت کے قیام کے لئے حضور ﷺ کے منہاج کے مطابق جدوجہد کرنا ہمارے لئے ضروری ہے۔ حضور ﷺ کے اسوہ سے جو طریقہ ثابت ہے اس کا پہلا نکتہ یہ ہے کہ لوگوں میں قرآن کے ذریعے سے ایمان حقیقی پیدا کیا جائے' ایمان حقیقی سے مراد یہ ہے کہ شریعت کے جن احکامات پر آپ کا اور میرا عمل کرنا ممکن ہے اس پر لازماً عمل ہو۔ یہ ایمان حقیقی کا مظہر ہے ورنہ پھر یہ صرف دعویٰ ایمان ہو گا۔ مثلاً آج آپ چور کا ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دے سکتے' کیونکہ جب تک شریعت کا ریاستی سطح پر نفاذ نہیں ہوتا آپ اس حکم پر عمل نہیں کر سکتے۔ البتہ پاکستان میں شرعی پردہ اختیار کرنے میں تاحال کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ الحمدللہ پاکستان میں ایسا کوئی آرڈی نینس نافذ نہیں ہوا کہ عورت پردہ نہیں کر سکتی' پھر اگر نہیں کر رہی تو اس کا مطلب ہے کہ جان بوجھ کر ہم نے اپنی آزادانہ مرضی سے اس کو ختم کیا ہے۔ یہی معاملہ سود کا ہے کہ کسی نے آپ پر لازم نہیں کیا کہ اپنے کاروبار کو بڑھانے کے لئے آپ سود پر قرض لیں' جو بھی اللہ نے آپ کو ذرائع دیے ہیں' ان پر قناعت کرتے ہوئے چھوٹی دکان یا کوئی اور حلال رزق کا ذریعہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔ یہ آپ کا اپنا فعل ہے کہ آپ سود میں ملوث ہوتے ہیں یا بچتے ہیں۔ بہرکیف جو کچھ ہمارے بس میں ہے اور شریعت کے جس حصے پر عمل کرنا ممکن ہو اس پر خود بھی عمل کیا جائے اور دوسروں کو بھی اس پر عمل کی قرآن کے ذریعے دعوت دی جائے اور لوگوں میں ایمان حقیقی پیدا کیا جائے۔ یہ حضور ﷺ کے انقلابی منہاج کا پہلا مرحلہ ہے۔ دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ جماعت میں شامل افراد کا تزکیہ کیا جائے' یعنی خود کو اندر سے پاک کیا جائے۔ اندر کی پاکی سے مراد ہے' نیت کی پاکی' نیت میں اخلاص کہ جو کچھ بھی کرنا ہے اللہ اور آخرت کے لئے کرنا ہے۔ کوئی دنیاوی مفاد پیش نظر نہ ہو۔ یہاں تک کہ دنیاوی انقلاب بھی آپ کا مقصود نہ ہو بلکہ یہ ساری بھاگ دوڑ اخروی نجات اور رضائے الٰہی کے حصول کے لئے ہو۔ اس حوالے سے دوسری بات یہ ہوئی کہ قرآن ہی کے ذریعے سے اندر کا تزکیہ کیا جائے۔ منہج انقلاب نبوی ﷺ کا تیسرا مرحلہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو منظم کر کے بیعت کی بنیاد پر جماعت قائم کی جائے۔ اگرچہ شخصی بیعت کے بغیر بھی جماعت کا تقاضا تو پورا ہو جائے گا لیکن مسنون جماعت بیعت کے طریقے پر ہی قائم ہو گی جیسی کہ محمد ﷺ نے قائم کی۔ متفق علیہ روایت ہے' حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے بیعت کی تھی اللہ کے رسول ﷺ سے کہ ہر حکم سنیں گے اور مانیں گے' چاہے مشکل ہو چاہے آسانی' خواہ طبیعتیں آمادہ ہوں' چاہے اپنی طبیعتوں پر جبر کرنا پڑے' چاہے تم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے' اور جسے آپؐ ہم پر امیر مقرر کریں گے اس سے ہم جھگڑیں گے نہیں۔ البتہ جو بھی حق بات' یا اپنی رائے ہو گی بیان ضرور کریں گے۔ بیعت میں شامل یہ نو امور تو متفق علیہ ہیں' دسویں چیز کا اضافہ مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ اس اطاعت سے تم صرف اس وقت سرتابی کر سکو گے جب تم دیکھو گے کہ کسی واضح کفر کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے۔ یعنی اس کے بارے میں تمہارے پاس قرآن و سنت کے حوالے سے دلیل موجود ہو کہ یہ کفر ہے۔ مختصر یہ کہ حضور ﷺ نے سمع و طاعت کا نظام بیعت کے ذریعے قائم کیا۔ چوتھا مرحلہ صبر محض کا ہے۔ اس صبر محض کا آغاز پہلے مرحلے یعنی دعوت و تبلیغ کے ساتھ ہی ہو جاتا ہے۔ جب تک یہ نہیں ہو گا انقلاب برپا نہیں ہو سکتا۔ جب تک دعوت و تبلیغ کا مرحلہ ہے بڑے ہی دلنشیں پیرائے میں انقلابی پیغام کو عام کرنا ہو گا' بڑی عمدگی کے ساتھ بات کرنا ہو گی۔ پھر اگر کسی نے آپ پر کوئی فقرہ چست کر دیا' کوئی آپ کا استہزاء کر دیا' تمسخر کر دیا' پاگل کہہ دیا تو برداشت کرنا ہو گا۔ جھیلنا ہو گا۔ اگر آپ غصے میں آ گئے تو داعی نہ رہے' دعوت کا معاملہ ختم ہو گیا۔ گویا جب تک طاقت کافی نہیں ہے اس وقت تک صبر و تحمل کا بھرپور مظاہرہ کرنا ہو گا۔ چاہے کسی نے آپ کو گالی دی ہو' چاہے کسی نے آپ کو تھپڑ مارا ہو' جوابی کارروائی نہیں ہو گی۔ لیکن جب ایسے لوگوں کی تعداد معتدبہ ہو جائے جو نظم کے عادی ہو چکے ہوں' سمع و طاعت کے خوگر ہو چکے ہوں' تن من دھن قربان کرنے کے لئے تیار ہوں تو پھر لازماً باطل نظام سے ٹکر لینا ہو گی۔ یہ پانچواں مرحلہ جس کا عنوان اقدام اور تصادم ہے۔ اس کے بغیر نظام نہیں بدلتا' آپ میٹھی میٹھی باتیں کرتے رہیں' کچھ اچھے سلیم الفطرت لوگ ہوں گے وہ آپ کی طرف کھنچ آئیں گے' نظام نہیں بدلے گا۔ حضور ﷺ نے بھی ہجرت کے بعد قریش سے خود ٹکر مول لی۔ بعض علماء و دانشوروں نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ حضور ﷺ نے تو اپنا دفاع کیا تھا' پہلا حملہ قریش کا تھا۔ حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ غزوہ بدر سے قبل آٹھ مہمات کفار کے خلاف حضور ﷺ کی طرف سے روانہ کی گئیں۔ نویں مرتبہ کفار کی طرف سے ردعمل ظاہر ہوا اور ایک ہزار کا لشکر بدر کے لئے مکہ سے نکلا۔ حضور ﷺ کے زمانے میں تصادم کا مطلب تلوار کی تلوار سے ٹکر تھی۔ تین سو تیرہ اِدھر تھے ایک ہزار اُدھر تھے۔ بس یہی فرق تھا' کوئی مرکزی حکومت اس وقت تھی ہی نہیں۔ کفر کی بھی کوئی حکومت یا فوجیں قائم نہیں تھیں' کوئی Standing Army نہیں تھی۔ لیکن آج کا معاملہ یہ ہے کہ آج منظم حکومتیں ہیں۔ آج کی حکومت فوج کے ذریعے ایسی کسی مسلح کوشش کو کچل کر رکھ دے گی۔ لہٰذا آج دوطرفہ قتال کی بجائے یک طرفہ قتال کا راستہ اختیار کرنا ہو گا' شریعت قائم کرنے کے خواہش مند لوگ اپنی جانیں دینے کے لئے میدان میں آئیں گے۔ لیکن کسی کی جان نہیں لیں گے۔ یہ جو ایرانیوں نے کر کے دکھایا ہے' ایک روشنی کا مینار بنا دیا ہے۔ جتنی بھی تحریکیں اب تک عالم اسلام میں چلی ہیں' انہیں اگر کامیابی کسی درجے حاصل ہوتی ہے تو صرف ایران میں۔ اگرچہ انقلاب ایران کی تمام باتوں سے میں متفق نہیں' لیکن اس ایک عمل کو آج کے دور میں درست سمجھتا ہوں کہ جب تیاری ہو جائے تو اپنی جانیں دینے کے لئے میدان میں آ جانا' گھیراؤ کرنا' گولیاں کھانے اور جانیں دینے کے لئے تیار ہونا' کیونکہ جانیں دیئے بغیر یہ کام نہیں ہو سکتا۔ حضور ﷺ کی جدوجہد کے دوران ۲۶۹ صحابہ کرامؓ نے بھی اپنی جانیں دی تھیں اور ان میں سے ایک ایک کی جان ہم جیسے لاکھوں مسلمانوں سے زیادہ قیمتی تھی۔ لیکن وہاں بھی صحابہ کرامؓ نے جانیں دی ہیں تب اسلامی انقلاب آیا ہے۔ البتہ وہاں معاملہ دوطرفہ تھا' کہ وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں۔ یہاں حالات کی نمایاں تبدیلی کے باعث معاملہ یہ ہو گا کہ قتل کرنا نہیں ہے بلکہ قتل ہونے کے لئے تیار رہنا ہے۔ ۱۰' ۲۰ ہزار سرفروش اگر اپنی جانیں دینے کے لئے تیار ہو جائیں تو ظاہر ہے پرویز مشرف ہو یا کوئی اور' اسے بھاگنا پڑے گا جیسا کہ شاہ ایران بھاگا تھا۔

بہرحال یہ بات محکم اور قطعی ہے کہ یہ کام طریقہ محمدیؐ یا منہاج محمدی ﷺ کو اختیار کرنے سے ہی نتیجہ خیز ہو گا۔ البتہ پاکستان کی حد تک ملک میں نفاذ اسلام کا ایک دوسرا طریقہ بھی ممکن ہے۔ دراصل یہ واحد مملکت ہے جو اسلام کے نام پر قائم ہوئی۔ قیام پاکستان سے اب تک یہاں دستوری و آئینی سطح پر نفاذ شریعت کے ضمن میں بعض اہم اقدامات کئے گئے ہیں۔ اگرچہ ان کے ضمن میں عملی پیش رفت نہ ہونے کے برابر ہے۔ ہمارے دستور میں اگر ایک طرف اسلامی دفعات موجود ہیں تو دوسری طرف ان دفعات کو بے اثر کر دیا گیا ہے۔ اس لئے ہمارا دستور

منافقت کا پلندہ بن چکا ہے۔ لیکن اگر دستور پاکستان کی اسلامی دفعات کو غیر موثر کرنے والے ان چور دروازوں کو بند کرنے کے لئے ترامیم کر دی جائیں تو ملک میں نفاذ شریعت کا عمل ہموار اور پرامن طریقے سے شروع ہو سکتا ہے۔ الحمد للہ ہمارے دستور میں ''قرارداد مقاصد'' دفعہ ۲۔ الف کی حیثیت سے موجود ہے جو اصولی اعتبار سے اسلامی ریاست یا نظام خلافت کے پورے اساسی فلسفے کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اس کے ضمن میں صرف اس چند لفظی صراحت کی مزید ضرورت ہے کہ ''یہ قرارداد پورے دستور پر کلی طور پر حاوی ہوگی'' دوسرے یہ کہ دفعہ ۲۲۷ الف کو اس تشریح کے اضافے کے ساتھ کہ ''قرآن اور سنت رسولؐ کو پاکستان کے اعلیٰ ترین قانون کی حیثیت حاصل ہوگی'' دفعہ ۲ ب کی حیثیت سے قرارداد مقاصد کے ساتھ ملحق کر دیا جائے۔ اسی طرح دفعہ ۴۵ میں یہ صراحت کی جائے کہ صدر مملکت اس دفعہ کے تحت حاصل شدہ اختیار کو شرعی حدود کے ضمن میں سپریم کورٹ کے شریعت اپیلٹ بنچ کے فیصلوں میں کسی کمی یا تبدیلی کے لئے استعمال نہیں کر سکیں گے۔ علاوہ ازیں نفاذ شریعت کے اس عمل کو موثر بنانے کے لئے ضروری ہے کہ فیڈرل شریعت کورٹ اور شریعت اپیلٹ بنچ کے جج صاحبان کی شرائط ملازمت کو ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے جج صاحبان کے مساوی بنایا جائے اور ان میں مستند اور جید علماء کی معتد بہ تعداد کی شمولیت لازمی بنائی جائے۔

اسلامی نظام کی طرف پیش رفت کے ضمن میں فوری طور پر دوسرا کام یہ کیا جائے کہ سود جیسے گناہ عظیم کے خاتمے کے ضمن میں اب تک جو سفارشات پیش ہوئی ہیں ان میں سے اس کمیٹی کی سفارشات کو جو سابق حکومت کے زمانے میں راجہ ظفر الحق صاحب کی سربراہی میں قائم کی گئی تھی 'فوری طور پر نافذ کر دیا جائے جس میں کوئی ضروری کمی بیشی بعد میں ہو سکتی ہے۔

دفاع افغانستان و پاکستان کونسل کے پلیٹ فارم پر جمع ہونے والی دینی جماعتیں اگر ملک میں نفاذ شریعت کے لئے حکومت کو دستور میں موجود چور دروازے بند کرنے کے لئے دستوری ترامیم پر مجبور کریں تو یہ منزل بہت تھوڑے عرصے میں سر ہو سکتی ہے۔ دینی جماعتوں کے کرنے کا اصل کام یہی ہے۔ میرے نزدیک انتخابی سیاست کے ذریعے ملک میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں لائی جا سکتی تاہم چھ دینی جماعتوں کا وجود میں آنے والا حالیہ انتخابی اتحاد اگر آئندہ انتخابات تک خالص دینی اتحاد کی حیثیت سے برقرار رہا اور سیکولر سیاسی جماعتوں کا آلہ کار نہ بنا تو تنظیم اسلامی اس اتحاد سے باہر رہ کر اس کو سپورٹ کرے گی۔

(مرتب: فرقان دانش خان)

بقیہ: تجزیہ

ڈٹ جانے کا سندیسہ دیا تو ایک غیر مقبول جنرل کو راستہ سے ہٹانا اور کسی اگلے کو اس شرط پر کرسی پر بٹھانا کہ ایٹمی رول بیک کرنا ہوگا کس قدر آسان ہوگا۔ آپ افغانستان کے معاملے میں امریکہ کا ساتھ دینے کی غلطی کر چکے ہیں اب بھی وقت ہے امریکہ اور بھارت کے سامنے ڈٹ جائیں۔ جنگ پسندیدہ شے نہیں لیکن اپنی عزت وقار اور خود مختاری کو خطرے میں ڈال کر جنگ بچانے کی کوشش کریں گے تو دائمی غلامی کا قلادہ اپنے گلے میں ڈال لیں گے۔ جنرل صاحب ہمارے باوقار زندہ رہنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اپنے عوام کو اعتماد میں لیں۔ مذہبی لیڈران جو امریکہ کی نسبت آپ کے کہیں زیادہ اور حقیقی ہمدرد ہیں انہیں رہا کریں۔ وسیع ترمشاورت کا اہتمام کریں اور امریکی اور بھارتی مطالبات کے سامنے ڈٹ جائیں تاکہ زندہ رہیں تو باعزت زندگی گزار سکیں گے اور وطن کی آن پر قربان ہو گئے تو بھی تاریخ عزت سے محفوظ کر لے گی۔ جنرل صاحب اگر آپ نے اپنے حقیقی بہی خواہوں کا مشورہ قبول نہ کیا اور ایک بار پھر امریکیوں کے جھانسے میں آ گئے تو یاد رکھئے کہ آپ تو دنیا و آخرت میں رسوا ہوں گے ہی میرا وہ پیارا پاکستان جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا' تباہ و برباد ہو جائے گا اور تاقیامت آپ پر انگلیاں اٹھتی رہیں گی۔

آخر میں راقم دینی جماعتوں سے بھی یہ سوال کرنا چاہتا ہے کہ جنرل مشرف کو مذہبی انتہا پسندی کے خلاف اقدام کرنے کی جرأت کیوں ہو رہی ہے۔ راقم کی رائے میں اس کی وجہ خود دینی جماعتیں ہیں جو بدترین حالات میں بھی سولو فلائٹ اور ذاتی قیادت و سیادت کے چکر سے نکل نہیں سکیں۔ دینی جماعتوں کا حکومت مخالف اور طالبان کی حمایت میں جلسے اور مظاہرے بدترین کارکردگی کا مظہر تھے۔ عوام کو میدان میں لانا تو بہت دور کی بات وہ اپنے کارکنوں کو بھی اس انتہائی اہم دینی فریضے کی ادائیگی کے لئے متحرک نہ کر سکے۔ عوام اس لئے متحرک نہ ہوئے کہ وہ دینی جماعتوں کی بھانت بھانت کی بولیوں اور سطحی و فروعی اختلافات پر باہم دست و گریبان ہونے کی وجہ سے شدید اظہار بیزاری کرتے ہیں۔ دینی جماعتوں کا سارا زور جذباتی نعرے لگانے پر صرف ہو رہا ہے۔ درحقیقت وہ دینی جماعتیں جن کی سٹریٹ پاور کا کبھی بڑا شہرہ ہوتا تھا اپنی بدعملی کی وجہ سے اندر سے کھوکھلی ہو چکی ہیں اور حکومت اور بیرونی اسلام دشمن قوتیں ان کے اس کھوکھلے پن سے بخوبی واقف ہیں لہٰذا پاکستان کو ترکی کی راہ پر گامزن کئے جانے کی کوششیں ہو رہی ہیں جواب ایسا ناممکن نہیں رہا۔

بقیہ: یادِ رفتگاں

لکھنؤ اصل میں یہ باتیں تو بالکل سامنے کی ہیں۔ دو اور دو چار کی نوعیت کی ہیں۔ متعدد بار یہ مضمون اس انداز میں بیان بھی ہوا ہوگا —— لیکن انہوں نے جس پُر تاثیر انداز میں بیان کیا' اس کی شان ہی نرالی تھی۔ مجھے اس موقع پر ایک واقعہ یاد آیا۔ یہ واقعہ ہے' کوئی کہانی نہیں ہے کہ امیر افغانستان کی والدہ شدید بیمار تھیں۔ مقامی اطباء و حکماء بالکل مایوس ہو چکے تو علاج کے لئے حکیم اجمل خاں کو دہلی سے بلایا گیا۔ حکیم صاحب نے دیکھا بھالا اور پھر نسخہ لکھوانا شروع کیا تو امیر کابل نے کہا کہ یہ ساری دوائیاں تو ہم استعمال کرا چکے ہیں۔ اس پر حکیم اجمل خاں صاحب نے جواب دیا کہ ''بدست اجمل خان بخور'' یہ دوائیاں اب اجمل خاں کے ہاتھ سے کھلاؤ —— تو دوائیوں کا معاملہ اپنی جگہ ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کس کے ہاتھ سے اور کس کی تجویز اور کس کے نسخے سے وہ دوائی کھلائی جا رہی ہے۔ اس میں بڑا فرق ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ سید صاحب مدظلہ نے جس طرح دل اور جذبے میں ڈوب کر یہ بات کہی ہے اور جس یقین کے ساتھ کہی ہے تو یہ قال نہیں' حال معلوم ہوتا تھا۔ اس کا میرے دل پر گہرا اثر ہوا اور اسی وقت میں نے یہ طے کر لیا تھا کہ ان کی بات انہی کے حوالے سے جمعہ کے اجتماع کے دوران اپنے الفاظ میں آپ حضرات کو منتقل کروں گا۔

● ● ●

بقیہ: تبصرۂ کتب

رات جس میں اس کے باپ نے وفات پائی۔''

مولانا محمد علی جوہر کے ذوق مطالعہ اور عشق رسولؐ کو بڑے موثر انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ مفتی کفایت کے ذکر میں ان کی دقت نظری اور معاملہ فہمی کا خوب ذکر کیا ہے۔ مولانا محمد یوسف بنوری اور انور شاہ کشمیری کی نابغہ روزگار شخصیات کے ایمان افروز اقوال و فرمودات کو بھی نقل کیا ہے۔ مثلاً علامہ بنوری کا یہ قول کہ ''ایک شخص اپنے اخلاص کی بدولت 'الف' با پڑھا کر جنت میں جا سکتا ہے اور دوسرا اخلاص کے بغیر بخاری پڑھا کر اس سے محروم رہ سکتا ہے۔''

کتاب کا خاتمہ اس حدیث مبارک پر کیا ہے: ''جتنا چاہو جی لو گر تمہیں بہر حال مرنا ہے اور جس سے چاہو دل لگا لو مگر تمہیں اس سے جدا ہونا ہے۔''

القاسم اکیڈمی سے شائع ہونے والی یہ کتاب مفید مطالعہ ہے۔ البتہ اس کی کمپوزنگ میں کئی جگہ پر اغلاط رہ گئی ہیں۔ اگلے ایڈیشن میں ان کی اصلاح ضروری ہے۔

تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

جنرل صاحب! خلقِ خدا کی بھی سن لیں

تجزیہ نگار کے نقطۂ نظر سے ادارہ کا کامل اتفاق ضروری نہیں

دوایٹمی قوت کے حامل ممالک کے مدمقابل آنے سے دُنیا میں بھونچال کی سی کیفیت ہے۔ دنیا بھر کا میڈیا دن رات پاک بھارت کشیدگی پر تبصرے کر رہا ہے۔ سارک کانفرنس جس میں پاکستان' بھارت' بنگلہ دیش' بھوٹان' نیپال' سری لنکا اور مالدیپ شامل ہیں اور بنیادی طور پر تجارتی اور اقتصادی تنظیم ہے۔ اس تنظیم میں ایک عجیب وغریب شق شامل ہے وہ یہ کہ اس تنظیم کی میٹنگ میں دو ممالک کے باہمی تنازعات کو زیر بحث نہیں لایا جا سکتا لیکن اس کے باوجود پاک بھارت کشیدگی سارک کانفرنس میں چھائی رہی۔ دونوں ممالک کے سربراہ عالمی قوتوں سمیت بہت

> ایک فریق امن کیلئے منت سماجت کر رہا ہے جبکہ دوسری جانب سے غرانے کا سلسلہ جاری ہے

سے دوسرے ممالک کے سربراہوں کی فون کالیں وصول کر رہے ہیں اور کشیدگی ختم کرانے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں' لیکن کشیدگی ختم ہونے کو نہیں آ رہی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک سائیڈ منت سماجت سے امن کی بھیک مانگ رہی ہے اور دوسری جانب سے غرانے اور دھتکارنے کا سلسلہ جاری ہے۔ سارک کانفرنس میں جنرل مشرف کی شیک ہینڈ ڈپلومیسی کو اگرچہ سفارتی حلقے ''امن کا حملہ'' اور ایک کمانڈو کی ماہرانہ چال قرار دے رہے ہیں' ہمارے اردو اخبار کے ایک سینئر صحافی نے اس شیک ہینڈ ڈپلومیسی کی وجہ سے جنرل مشرف کو سارک کانفرنس میں ''مین آف دی میچ'' قرار دیا ہے لیکن اس سے یہ واضح بھی ہوتا ہے کہ ہم پسپا ہوتے ہوتے اب دیوار سے جا لگے ہیں۔ ہماری مسلسل پسپائی اور دشمن کی چڑھائی کی اصل وجہ یہ ہے کہ عالم اسلام کمزور بھی ہے اور منتشر بھی جبکہ عالم کفر عسکری اور سیاسی لحاظ سے مضبوط بھی ہے اور متحد بھی۔ ۱۱ر ستمبر کے حادثے کو عذر بنا کر جب عالم کفر ایک چھوٹی اور کمزور اسلامی ریاست افغانستان پر ٹوٹ پڑی تو ہم نے اس کی قوت سے خوفزدہ ہو کر اپنے ہاتھوں سے لگائے ہوئے اس نازک پودے کو جو ابھی زمین میں جڑ بھی نہیں پکڑ سکا تھا اسے اکھاڑنے میں یہود ونصاریٰ کے معاون بن گئے۔ مذہبی جماعتوں نے بڑی چیخ وپکار کی کہ عالم کفر افغانستان سے فارغ ہو کر پاکستان کا رخ کرے گا لیکن ہمارے حکمرانوں پر یہ بھوت سوار تھا کہ ہم کسی طرح بڑی طاقتوں خصوصاً امریکہ کی خوشنودی حاصل کر لیں اور اس کا صرف یہی طریقہ ہے کہ ہم اس کے اتحادی بن جائیں اور طالبان کے قتل عام میں ان کا ہاتھ بٹائیں۔ اس سے وہ ہم پر مہربان ہو جائے گا' ہماری معاشی مدد کرے گا اور ہم ڈالروں میں کھیلنے لگیں گے۔ دشمن جب تک افغانستان میں مصروف رہا ہم پر جھوٹی سچی نوازشات کرتا رہا لیکن جونہی وہ افغانستان سے فارغ ہوا۔ دہلی میں پارلیمنٹ پر حملہ کا ڈرامہ رچا کر پاکستان پر حملہ کرنے کے لئے بھارت کو شہ دینی شروع کر دی۔

یہ بحث ابھی جاری ہے کہ پاک بھارت جنگ ہو گی یا نہیں ہو گی بہت سے سینئر صحافیوں اور تجزیہ نگاروں کی

ابوالحسن

رائے یہ ہے کہ جنگ ٹل چکی ہے لیکن راقم کی رائے میں جنگ ابھی کسی طور پر بھی ٹلی نہیں اور جنوری کا دوسرا عشرہ یعنی ۱۱ر جنوری سے ۲۰ جنوری کے درمیان جنگ ہونے کا قوی امکان ہے ظاہر ہے یہ کوئی الہامی بات نہیں بلکہ بین الاقوامی حالات کا مشاہدہ خصوصاً عالم اسلام کے خلاف قائم ہونے والی امریکہ' بھارت اسرائیل تثلیث کا طرزِ عمل بتا رہا ہے کہ جنگ سے بچا نہیں جا سکے گا۔ پاکستان کے سامنے جنگ سے بچنے کے لئے ایسی شرط رکھی گئی ہے جو اس کا حکمران بقائمی ہوش وحواس پوری نہیں کر سکتا۔ اگر پاکستان

> قدم بہ قدم پیچھے ہٹنا پاکستان کے لئے تباہ کن ثابت ہو گا

اپنے شہری بھارت کے حوالے کر دے تو گویا اس نے اپنی آزادی اور خودمختاری سے دستبرداری اختیار کر لی البتہ یہ کہنا مشکل ہے کہ امریکی احکامات سن کر ہمارے حکمران ہوش وحواس قائم رکھ سکیں گے یا نہیں۔ البتہ بھارت کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ ۱۳ر دسمبر کے واقعہ کے حوالہ سے اتنا جنگی جنون پیدا کر کے اب مطلوبہ افراد کو حاصل کئے بغیر فوج واپس لے جائے بالفاظ دیگر تھوک کر چاٹ لے گا۔ ایسا ممکن دکھائی نہیں دیتا۔ جنگ کے حق میں ایک دلیل یہ ہے کہ فلسطین میں یکلخت امن کی باتیں شروع ہو گئی ہیں وہاں تشدد کا سلسلہ کچھ سرد پڑا ہے۔ عربوں اور فلسطینیوں کو تاثر دیا جا رہا ہے کہ انہیں امن حاصل ہونے والا ہے درحقیقت امریکہ' بھارت اور اسرائیل کی اسلام دشمن تکون ایٹمی اسلامی ملک سے پہلے فارغ ہوا چاہتی ہے وہ نہیں چاہتے کہ پاکستان سے نمٹنے کے دوران انہیں اس طرف سے مکمل فراغت اور اطمینان ہو پاکستان سے نمٹ لینے کے بعد عربوں یا فلسطینیوں کو دی گئی کسی سہولت یا پیشکش کو ملیامیٹ کرنے کے لئے کسی بڑے عذر کی ضرورت نہیں ہو

> عربوں اور فلسطینیوں کو ختم کرنے سے پہلے دنیا کی واحد اسلامی ایٹمی قوت سے نمٹنے کا فیصلہ کیا جا چکا ہے

گی البتہ ایک بات جو جنگ کے امکان کو رد کرتی ہے وہ امریکی فوجیوں کی پاکستان کے اڈوں پر موجودگی ہے۔ امریکہ اپنے فوجیوں کی زندگی کا کبھی رسک نہیں لے گا اس کا جواب یہ ہے کہ بھارت یقیناً اپنے اتحادی امریکہ کو جنگ کے بارے میں قبل از وقت بتائے گا اور ان فوجیوں کو نکالا جا سکے گا۔

جنرل مشرف کو ہم بارہا آگاہ کر چکے ہیں کہ ہمارے دشمن آپ کو جو قدم بہ قدم پیچھے ہٹا رہے ہیں وہ پاکستان کے لئے بہت تباہ کن ثابت ہو گا۔ افغانستان کی جنگ میں وہ آپ سے غیر مقبول فیصلہ کروا چکے ہیں۔ اس سلسلہ میں مذہبی جماعتوں سے خاص طور پر آپ کا ماتھا لگ چکا ہے۔ آپ کے آئندہ متوقع خطاب میں انتہا پسندوں پر پابندیاں لگنے کی بات سامنے آ رہی ہے اسی لئے امریکی میڈیا اس خطاب کو عہد ساز قرار دے رہا ہے اس سے ملک کے اندر باہمی کشمکش مزید بڑھ جائے گی۔ کشمیر کاز کو ۱۱ر ستمبر کا واقعہ اور آپ کا طالبان کے خلاف امریکہ سے تعاون' دفن کر چکا ہے۔ آپ ایٹمی اثاثہ جات کو بچا لینا اس وقت اپنا کارنامہ سمجھ رہے ہیں۔ آپ خدارا تاریخ سے سبق حاصل کریں کشمیر کا مسئلہ اور مذہبی انتہا پسندی (بقول ان کے) آپ سے ختم کروائی جائے گی۔ آپ نے ایٹمی اثاثہ جات پر

(باقی صفحہ ۶ پر)

آہ' مولانا سید مظفر حسین ندویؒ!

محاضراتِ قرآنی (۲۳ تا ۲۸ مارچ ۸۵ء) میں مولانا ندویؒ کی ایک یادگار تقریر

پر امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا تبصرہ

تنظیم اسلامی آزاد کشمیر سے تعلق رکھنے والے ممتاز عالم دین مولانا مظفر حسین ندویؒ طویل علالت کے بعد گزشتہ ماہ مظفر آباد میں انتقال فرما گئے۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ وادخلہ فی رحمتک وحاسبہ حساباً یسیرا۔

مولانا ندویؒ کا شمار آزاد کشمیر کے نہایت جید اور بزرگ ترین علماء میں سے ہوتا تھا۔ تنظیم اسلامی کے امیر' محترم ڈاکٹر اسرار احمد سے مولانا ندویؒ کا قریبی تعارف ۱۹۸۵ء میں ہوا جب وہ امیر محترم کی دعوت پر ان کے تصورِ فرائض دینی پر اظہارِ خیال کی خاطر محاضراتِ قرآنی میں شرکت کے لئے لاہور تشریف لائے۔ تب معلوم ہوا کہ مولانا ندویؒ فکری اعتبار سے محترم ڈاکٹر صاحب اور ان کی تنظیم سے گہری ہم آہنگی رکھتے ہیں۔ چنانچہ یہ اسی فکری ہم آہنگی کا نتیجہ تھا کہ بعد ازاں مولاناؒ باقاعدہ طور پر تنظیم اسلامی کے شریک قافلہ بن گئے۔ یہ مولاناؒ کی شخصی عظمت کا ایک بہت بڑا ثبوت ہے کہ باوجود اس کے کہ وہ عمر کے اعتبار سے امیر تنظیم سے کم وبیش ۱۵ برس بڑے تھے اور مروجہ دینی تعلیم کے لحاظ سے بھی بلند مقام کے حامل تھے' انہوں نے امیر تنظیم کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں کسی تامل سے کام نہ لیا۔ مولانا ندویؒ ایک عرصے تنظیم اسلامی حلقہ آزاد کشمیر کے امیر کے طور پر تحریکی ذمہ داریاں نبھاتے رہے' بعد ازاں اپنی پیرانہ سالی اور ضعف وعلالت کے باعث وہ گوشہ گیر ہونے پر مجبور رہے' تاہم زندگی کے آخری سانس تک نہ صرف یہ کہ تنظیم اسلامی کے ساتھ ان کا فکری وعملی تعلق قائم تھا بلکہ آزاد کشمیر میں تنظیم اسلامی کے سرپرست اعلیٰ وہی تھے۔ گزشتہ دو تین برسوں کے دوران مولاناؒ پر مختلف عوارض کا شدید حملہ ہوا اور انہیں پے در پے کئی آپریشن بھی کروانا پڑے۔ قریباً ڈیڑھ سال قبل تنظیم اسلامی کے ناظم اعلیٰ برادرم ڈاکٹر عبدالخالق کے ہمراہ راقم کا آزاد کشمیر جانا ہوا تو مولانا سے ملاقات کے لئے ان کی رہائش گاہ پر حاضری بھی دی۔ مولانا شدید علالت کے باوجود حسب سابق نہایت شفقت اور محبت سے ملے۔ ضعف اور نقاہت کے باعث ان کی آواز اتنی مدھم تھی کہ بات کا سمجھنا قریباً ناممکن تھا۔ اس مردِ درویش نے بالآخر گزشتہ ماہ رفیق اعلیٰ کی طرف مراجعت اختیار کی۔ ؎ آسمان ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے!— ذیل کا مضمون مولانا ندویؒ کی یاد میں ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔ یہ مضمون محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ایک طویل مضمون کا حصہ ہے جس کے ذریعے نہ صرف یہ کہ مولاناؒ کا شخصی تعارف عمدگی کے ساتھ سامنے آتا ہے بلکہ ان کے علمی وفکری مقام ومرتبے کی ایک جھلک بھی ان کی ایک تقریر کے حوالے سے سامنے آتی ہے جو انہوں نے محاضرات قرآنی کے موقع پر ارشاد فرمائی تھی۔ محترم ڈاکٹر صاحب کی یہ تحریر جو دراصل ایک مفصل خطاب پر مشتمل ہے' ابتداءً مئی ۸۵ء کے ''میثاق'' میں شائع ہوئی اور اب محترم ڈاکٹر صاحب کی مرتب کردہ ضخیم کتاب ''جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی'' میں شامل ہے۔ (مدیر)

حالیہ محاضرات قرآنی میں ایک بزرگ' مظفر آباد آزاد کشمیر سے تشریف لائے تھے جن کا نام نامی ہے مولانا سید مظفر حسین ندوی۔ مجھے ان کے متعلق یہ اندازہ تو تھا کہ بہت خاموش طبع' بہت شریف النفس اور بہت نیک انسان ہیں۔ اس مرتبہ جب وہ ہمارے ساتھ پانچ چھ دن رہے تو اندازہ ہوا کہ صاحب دل شخصیت بھی ہیں۔ ان کو دو اطراف سے فیض بھی پہنچا ہے اور اسی اعتبار سے ان کو دو اطراف سے ذہنی مناسبت بھی ہے۔ وہ جب ندوہ (لکھنؤ) میں زیر تعلیم تھے تو مولانا سید ابوالحسن علی میاں مدظلہ' اور مولانا مسعود عالم ندوی رحمۃ اللہ علیہ دونوں ان کے استاذ تھے۔ مولانا علی میاں ندوی حنفی المسلک ہیں اور مولانا مسعود عالمؒ ندوی سلفی المسلک یعنی اہل حدیث تھے۔ مولانا علی میاں بھی اگرچہ جماعت اسلامی کے ابتدائی دور میں اس میں شریک ہوئے تھے لیکن بہت جلد چند اختلافات اور کچھ چیزوں سے مایوس وبددل ہو کر علیحدہ ہو گئے تھے۔ یہ ۱۹۴۳ء کا زمانہ تھا۔ اس کے بعد ان کا زیادہ وقت تبلیغی جماعت کے ساتھ گزرا ہے۔ جبکہ مولانا مسعود عالم ندویؒ جب جماعت میں آئے تو تادم واپسیں جماعت ہی میں رہے۔ عالم عرب میں مولانا مودودی مرحوم کو متعارف کرانے والے یہی ہیں۔ مولانا مودودی کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرنے اور ان کو عرب میں پھیلانے کا ابتدائی کام مولانا مسعود عالمؒ ندوی ہی نے سرانجام دیا ہے۔ وہ بھی ندوہ کے صاحب قلم تھے اور اپنے عربی مضامین کے باعث جو وہاں عربی رسائل وجرائد میں شائع ہوتے رہتے تھے' ایک معروف عربی انشا پرداز کی حیثیت سے کافی معروف ومشہور تھے —— یہ مولانا سید مظفر حسین ندوی مدظلہ' ان دونوں کے شاگرد ہیں۔ لہٰذا دونوں کے مزاج ایک حسین توازن کے ساتھ ان میں جمع ہیں۔ ان کو میں ''مجمع البحرین'' اگر کہوں تو بالکل درست ہو گا۔ ایک طرف ان میں حنفیت بھی ہے' دوسری طرف ان میں سختی وتشدد کے بجائے توسع ہے۔ بڑی وسعت قلبی ہے۔ پھر یہ کہ ان کا ایک انقلابی مزاج بھی ہے جو ابتدائی دور میں جماعت اسلامی کا تھا اور تبلیغی جماعت کا تقویٰ' تدین' دھیما پن بھی ان کی طبیعت کا ایک جزو ہے۔ مزید یہ کہ ۱۹۴۷ء میں جو جہاد کشمیر میں ہوا تھا تو جہاں تک میرا گمان ہے وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس کا آغاز کیا تھا۔ اس کی تحریک کرنے والے وہی ہیں۔ انہوں نے ہی لوگوں کو اس مقصد کے لئے جمع اور آمادہ کیا تھا۔ بہرحال اس جہاد کی نمایاں ترین شخصیت وہ رہے ہیں' اس میں تو کوئی شک نہیں' البتہ میں اس کی تحقیق کروں گا کہ اس کی تحریک کرنے والے بھی وہی ہیں یا کوئی اور!

سید مظفر حسین صاحب نے محاضرات میں جو تقریر کی اس کے آخر میں انہوں نے محاضرات کے موضوع کے بارے میں تو ایک جملہ کہا کہ مجھے پوری چیز سے اتفاق ہے —— یہ جملہ ہی بہت قیمتی ہے' البتہ انہوں نے اپنی تقریر میں جو اہم بات فرمائی وہ میں ان ہی کے حوالے سے آپ کے سامنے بیان کرنا چاہتا ہوں۔ دیکھئے ایک تو وہ نقطۂ نظر ہے جو بحیثیت ایک مخلص پاکستانی ہم میں سے ہر ایک کا ہونا چاہئے اور ایک وہ نقطۂ نظر ہے جو ہمارا مومن ومسلم کی حیثیت سے ہونا چاہئے۔ ان دونوں نقطہ ہائے نظر سے ہمارے عمل میں مضبوطی اور پختگی آئے گی۔ انہوں نے یہ بات بایں الفاظ نہیں کہی ہے لیکن اس کا جو مفہوم میں نے سمجھا ہے' اسے اپنے الفاظ میں بیان کر رہا ہوں۔

ہمارا خالص مادہ پرستانہ نقطۂ نظر بھی اگر ہو کہ یہ پاکستان ہمارا ملک ہے' ہمارا وطن ہے۔ اسے مشرق ومغرب سے خطرات لاحق ہیں۔ ہمارے دشمنوں کے بڑے مضبوط

حلقے (Lobbies) ہمارے ملک کے اندر موجود ہیں۔ تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد یہاں ہنگامے ہوتے رہے ہیں۔ کبھی لسانی فسادات ہو گئے جیسے کہ بھٹو کے دور میں سندھ میں ہو گئے اور اس موقع پر اندیشہ لاحق ہوا تھا کہ پتہ نہیں اب یہ کشتی اس گرداب سے نکل سکے گی یا نہیں! کبھی کبھی سنی شیعہ فسادات ایک ہولناک صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ فی الوقت قادیانیوں کا جارحانہ انداز امن وامان کے نقص کا موجب بن سکتا ہے۔ اب ذہنوں میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس ملک کی بقا کے لئے اور اس کے استحکام کے لئے کوئی سہل نسخہ بھی ہے یا نہیں! ٹھیک ہے طویل نسخے موجود ہیں ﴿اَعِدُّوْا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ﴾ تیاری جاری رکھو جتنی بھی امکان میں ہے۔ اتحاد پیدا کرو۔ جو بھی اپنی صفوں کے اندر اختلافات ہیں انہیں دور کرو۔ یکجہتی پیدا کرو۔ علاقائی سطح پر انصاف کا معاملہ ہو۔ لوگوں کو ان کے جائز حقوق دیئے جائیں تاکہ انہیں اطمینان ہو اور وہ احساس محرومی میں مبتلا نہ ہوں۔ پھر یہ کہ اگر خارج میں ہمارے کچھ دشمن ہیں تو خارجہ پالیسی کے تحت کچھ دوست بھی تلاش کئے جائیں۔ ان میں سے کسی چیز سے بھی اختلاف نہیں ہے۔ لیکن یہ وہ امور ہیں کہ خالص مادہ پرستانہ اور لادینی نقطۂ نظر رکھنے والے ذہن کا آدمی بھی ان کے متعلق سوچے گا۔ دشمنوں کے مقابلہ میں دوستوں کی تلاش' ان سے معاہدے' اگر معاہدے نہ ہوں تو کوئی اطمینان ہو' یہ باتیں تو ہر شخص سوچے گا۔ اسلحہ جمع کرنے کے متعلق ہر ملک سوچے گا کہ کتنا ہم خود بنا سکتے ہیں اور کتنا دوسروں سے لے سکتے ہیں اور وہ کہاں سے مل سکتا ہے' کہاں سے نہیں مل سکتا۔ یہ سوچیں تو ہر محب وطن کی ہوں گی' خواہ وہ مومن ومسلم ہو یا کافر ہو ____ لیکن سید صاحب موصوف نے دو آیات کے حوالے سے اس کا آسان ترین نسخہ بتایا ہے جس کے موثر ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے اور جو تیر بہدف ہے۔

اس نسخہ کا پہلا جزو تو سورۂ محمدؐ کی آیت ۷ میں ہے: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ﴾ "اے اہل ایمان! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔" تو یہ اس نسخہ کا پہلا جزو ہے کہ تم اللہ کی مدد کرو' اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ اب حدیث میں اس انداز کی بہت سی باتیں آئی ہیں۔ فرمایا گیا کہ اگر تم اپنے تمام تفکرات کو ایک فکر میں مدغم کرو ____ مجھے اس مدغم کے لفظ سے ایک تاریخی واقعہ یاد آ گیا۔ مغل بادشاہ محمد شاہ رنگیلا کے دور میں جب ایران کا نادر شاہ علاقوں پر علاقے فتح کرتے ہوئے دہلی کی طرف بڑھ رہا تھا تو علاقہ کے ذمہ داران پرچے پر پرچے بھیج رہے تھے کہ بادشاہ سلامت کچھ کیجئے دشمن منزل بہ منزل دارالحکومت کی طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ لیکن شاہ صاحب کی رنگ رنگیلی محفلیں جمی رہتی تھیں' شراب نوشی ہوتی رہتی تھی۔ لہٰذا شاہ کی طبع پر ان پرچوں کا پڑھنا بھی گراں گزرتا تھا۔ جو رقعہ آتا تھا' اسے وہ بغیر پڑھے پھاڑ کر شراب کے جام میں ڈال دیتے تھے کہ ع "ایں دفتر بے معنی غرق مئے ناب اولیٰ"۔ تو درحقیقت یہ انداز مطلوب ہے کہ دنیا کے تمام تفکرات کو غرق کر دو ایک فکر میں اور وہ فکر آخرت ہے۔ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا' وہ ارشاد نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے حوالہ سے ذہن نشین کر لیجئے۔ فرمایا الصادق والمصدوقؐ نے "تو اللہ ذمہ لیتا ہے اس شخص کے دنیا کے تمام تفکرات کو دور کرنے کا"۔ بتایئے کہ اس سے زیادہ آسان نسخہ کوئی ہے! بس اس کے لئے تھوڑے سے ایمان حقیقی کی ضرورت ہے۔ اگر وہ تھوڑا سا یقین واقعی کہیں سے میسر آ جائے۔

یقیں پیدا کر اے ناداں یقیں سے ہاتھ آتی ہے
وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری

یہ یقین ہے اصل مسئلہ۔ اسی طریقہ سے ایک طویل حدیث کے درمیان میں آتا ہے: مَنْ کَانَ فِیْ حَاجَۃِ اَخِیْہِ کَانَ اللّٰہُ فِیْ حَاجَتِہٖ "جو شخص اپنے کسی بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں لگا ہوا ہے' اللہ اس کی ضرورت پوری کرنے میں لگ جاتا ہے"۔ اب آپ بتایئے کہ جو انسان اپنے ایک بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں لگا ہوا ہے' اللہ کی نگاہ میں اس کی اتنی قدر ہے کہ اس کی ضرورت وہ خود پوری فرماتا ہے تو اگر اللہ کے دین کی ضرورت کوئی پوری کر رہا ہو تو اس کے ساتھ اللہ کا معاملہ کیا ہو گا؟ یہ ہے انداز اس آیت کریمہ کا: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ﴾ "اے اہل ایمان! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمادے گا"۔ پھر تمہارے قدموں میں کوئی لغزش نہیں ہو گی' تم ثابت قدم رہو گے۔ تو یہ ہے اس نسخہ کا جزو اول۔

دوسرا جزو کیا ہے' اسے سورۂ آل عمران کی آیت ۱۶۰ سے سمجھئے۔ فرمایا: ﴿اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ﴾ "اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا تو کوئی تم پر غالب نہیں آ سکے گا"۔ یہ بڑی یقین دہانی والی بات ہے۔ جس کا پشت پناہ اللہ بن گیا ہو' جس کا مددگار اللہ ہو تو اب کیا کوئی اللہ پر غالب آ سکتا ہے؟ لیکن یہاں ایک دھمکی بھی ہے ﴿وَاِنْ یَّخْذُلْکُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُکُمْ مِّنْ بَعْدِہٖ﴾ ہوش میں آؤ۔ "اگر اللہ ہی تمہارا ساتھ چھوڑ دے تو کون ہے وہ جو تمہاری مدد کر سکے اس کے بعد؟" امریکہ بچا لے گا؟ میزائل بچا لیں گے؟ اسلحہ بچالے گا؟ اگر اللہ نے چھوڑ دیا تو کوئی بچانے والا نہیں۔ نہ کثرت تعداد بچاتی ہے' نہ کوئی مادی شے بچاتی ہے۔ جنگ حنین میں بارہ ہزار مسلمان تھے لیکن ابتداء میں شکست ہوئی ﴿وَیَوْمَ حُنَیْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْکُمْ کَثْرَتُکُمْ﴾ "حنین میں جنگ کے دن تمہیں اپنی کثرت پر ناز ہو گیا تھا"۔ نتیجہ دیکھ لیا۔ اس بات کو جان لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کفار کے ساتھ خالص مادی سطح پر معاملہ کرتا ہے۔ اگر ان کی آپس کی جنگ ہے تو ان کا معاملہ تو حساب کتاب سے ہو گا۔ اسباب ووسائل کی کمی بیشی فیصلہ کن ہو گی۔ لیکن مسلمان کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ اس کے ساتھ معاملہ کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کے معیارات بالکل جدا ہیں۔ یہ معیار معلوم کرنا ہے تو حضرت طالوت کا جالوت جیسے باجبروت اور عسکری لحاظ سے نہایت مضبوط لشکر سے مقابلہ کا انجام دیکھو' جہاں ان مومنین کا یہ قول قرآن مجید نے نقل کیا ہے جن کو یقین تھا کہ مرنے کے بعد اللہ کے حضور میں حاضر ہونا ہے۔ ﴿کَمْ مِّنْ فِئَۃٍ قَلِیْلَۃٍ غَلَبَتْ فِئَۃً کَثِیْرَۃًۢ بِاِذْنِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ﴾ "بارہا تھوڑی جماعت غالب ہوئی ہے بڑی جماعت پر اللہ کے حکم سے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔ یہ معیار معلوم کرنا ہے تو معرکہ بدر دیکھو جسے اللہ تعالیٰ نے "یوم الفرقان" قرار دیا ہے یعنی حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے والا دن' جس روز اللہ تعالیٰ کی مدد سے تین سو تیرہ بے سروسامان مومنین صادقین ایک ہزار کفار کے لشکر پر غالب آئے جو ہر طرح کے ہتھیاروں اور کیل کانٹوں سے لیس اور مسلح تھے۔

ہم مومنین صادقین اور کفار کے معاملہ کے تناسب کو دنیوی معیارات سے گڈمڈ کرتے ہیں اور اصل صورت حال یہ ہے کہ عام طور پر ہم اپنے معاملات کو ان معیارات اور پیمانوں پر سوچنے کے عادی ہو گئے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے کفار کے لئے مقرر کئے ہیں جبکہ مسلمانوں کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ ان سے تو مستقل وعدہ ہے کہ: ﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ﴾ "تم ہی غالب وسربلند رہو گے"۔ لیکن یہ وعدہ مشروط ہے اس سے کہ: ﴿اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾ "بشرطیکہ تم مومن ہو"۔ یعنی سربلندی اور غلبہ کے لئے مومن صادق ہونا لازمی شرط ہے' وہ بھی فرداً فرداً نہیں بلکہ جماعتی اور منظم طور پر۔

علامہ اقبال نے اسی بات کو یوں کہا ہے۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

تو سید مظفر حسین ندوی مدظلہ نے یہ نسخہ تجویز فرمایا کہ اگر ہم بحیثیت قوم وملت اللہ کے دین کے حامی اور مددگار بن جائیں اور اسے اپنے ملک میں مخلصانہ جذبہ کے ساتھ صحیح خطوط پر قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں' انفرادی طور پر خود بھی حقیقی مومن بن جائیں اور اجتماعی نظام کو بھی کتاب وسنت کی تعلیمات کے مطابق استوار کر کے قائم ونافذ کر دیں تو ان شاء اللہ ہمارے ساتھ معاملہ وہ ہو گا جس کی بشارت ان آیات میں دی گئی ہے: ﴿اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ﴾ اور ﴿اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ﴾

(باقی صفحہ ۲ پر)

اب ہمیں ہوش آ جانا چاہئے !!

رعنا ہاشم خان

آج برصغیر کو تقسیم ہوئے ۵۵ برس گزر چکے ہیں مگر پاکستان اور بھارت کے تعلقات کسی دور میں بھی معمول پر نہیں رہے۔ ہر خاص و عام کی رائے میں اس کشیدگی کی سب سے بڑی اور واحد وجہ کشمیر ہے۔ لیکن اگر ہم برصغیر کی تاریخ کا بغور جائزہ لیں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جس طرح امریکہ نے طالبان حکومت کی بیخ کنی کے لئے اسامہ کا شوشہ چھوڑا' بالکل اسی طرح پاکستان سمیت پورے خطے سے اسلام کا نام ونشان مٹا ڈالنے کے خواہش مند بھارت نے کشمیر کو بہانہ بنا رکھا ہے۔ اکھنڈ بھارت کو اپنے دل کا ارمان بنانے والی ہندو قوم نے نہ صرف ہندوستان کو اسلام سے پاک کرنے کی قسم کھا رکھی ہے بلکہ پاکستان اور افغانستان

> جنگ کے خطرے کو نقارۂ بیداری نہ سمجھ کر ہم اپنی اصلاح کا آخری موقع بھی گنوانے پر تلے ہوئے ہیں

کے علاوہ تمام سارک ممالک پر حکومت کرنا بھی ہندو کا دیرینہ خواب ہے۔ اس خواب کی تکمیل کے لئے نہرو' سردار پٹیل اور ماؤنٹ بیٹن کی مشترکہ سازش کے تحت بددیانت وکیل ریڈکلف نے بھارت اور پاکستان کے درمیان ایک لاکھ ۷۵ ہزار مربع میل علاقے کی حد بندی کی۔ پنجاب میں یہ حد بندی آبادی کی اکثریت کے مطابق ہونا تھی لیکن ضلع گورداسپور میں یہ اصول توڑ کر دریائے راوی کو سرحد مان لیا گیا تاکہ کشمیر تک رسائی کی راہ ہندوستان کے لئے کھلی رہے۔ یہ ضلع سوچی سمجھی سکیم کے تحت بھارت کے حوالے کر دیا گیا جو اس وقت پاکستان کے قیام کو ایک عارضی حادثہ گردان رہا تھا اور جواہر لال نہرو ''فرما'' رہے تھے کہ ہماری سکیم یہ ہے کہ جناح کو پاکستان بنا لینے دیں پھر معاشی' فوجی اور ہر طرح کے ڈھنگ سے پاکستان کو ہندوستان میں جوڑ کر اکھنڈ بھارت بنا لیں۔ کشمیر کی چنگاری سلگانے کا اصل مقصد ہی یہ تھا کہ گھی اگر سیدھی انگلیوں سے نہیں نکلا تو کشمیر کے ذریعے نکالا جائے گا۔ اس کا بین ثبوت بھارت کی جانب سے تنازعۂ کشمیر کو متواتر سرد خانے میں ڈالتے رہنا ہے۔

جب اسلام پورے عرب میں پھیل گیا اور عرب کا مشرقی ساحل بھی اسلام کی کرنوں سے منور ہو گیا تو اس کا اثر ہندوستان میں آباد عربوں پر بھی پڑا اور ہند کے تمام عرب آباد کار مسلمان ہو گئے۔ یہ برصغیر میں مسلمانوں کی پہلی موجودگی تھی۔ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں جب مکران فتح ہوا تو اسلام ہندوستان میں قدم جما چکا تھا۔ چونکہ اس دور کے مسلمان اسلامک آئیڈیالوجی کو پھیلانے کے جذبے سے سرشار تھے لہٰذا اسلام اس تیزی سے پھیلا کہ اس کی وحدانیت کے مقابلے پر ہندو کی لاتعداد دیوی دیوتاؤں سے بھرپور تھیوری مات کھا گئی۔ اس کے علاوہ حضورِ اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق چونکہ کسی گورے کو کالے پر' بڑے کو چھوٹے پر اور آقا کو غلام پر کوئی فوقیت نہیں رہی لہٰذا ہندو کی ذات پات کی تقسیم پر بھی کاری ضرب لگی۔ یوں ہندو ذات جو تمام اونچی ذاتوں کو اپنے میں مدغم کرنے اور نیچی ذات والوں کو اچھوت بنانے میں ماہر تھی' مسلمانوں کو شیشے میں اتار نہ سکی۔ اس کا بدلہ دو طرح سے لیا گیا' جس میں ایک تو مسلمانوں کا مکمل سوشل بائیکاٹ تھا جو آج تک جاری ہے اور دوسرے بھگتی تحریک کا آغاز۔ اس تحریک کی رو سے ''رام'' اور ''رحیم'' کو ایک قرار دیا گیا اور مسلمان حکمرانوں نے اس پر بند باندھنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ نتیجتاً تبلیغ

> مشرف واجپائی مصافحہ سے ہندو دھرم کی نفسیات نہیں بدلی جا سکتی

اسلام کی رفتار مدھم پڑ گئی اور مرہٹے شمالی ہندوستان کے حکمران بن بیٹھے جن کے اولین لیڈر شیواجی کا مشن ہی مسلمانوں کا نام مٹانا تھا۔ اس انتہا پسند لیڈر کے ہندو چیلوں کو لاٹھی گھمانے کی تربیت دی جاتی تھی تاکہ موقع ملتے ہی مسلمانوں کو اپاہج بنایا جا سکے۔ یہ ہندو نوجوان مسلم دشمن اشلوک گایا کرتے تھے جس میں کہا جاتا تھا کہ گائے ذبح کرنے والوں کو ذبح کر دو' مسلمانوں کی عبادتوں میں ہر طریقے سے رکاوٹ ڈالو' انہیں نماز پڑھنے اور مسجد جانے سے روکو! یہ اشلوک آج بھی بھارتی کلچر کی شکل میں وطنِ عزیز کے چپے چپے پر گائے جا رہے ہیں۔ کشمیر کو ایک ایسی ہڈی بنا کر جو نہ نگلی جائے اور نہ اُگلی جائے' ہٹ دھرم بھارتی قیادت اپنے رام راج کے دیرینہ خواب کی تکمیل کرنا چاہتی ہے۔ جنرل مشرف کے واجپائی سے مصافحہ کر لینے سے ہندو دھرم کی نفسیات نہیں بدل گئی ہے۔ ویسے بھی جنرل مشرف نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ واجپائی چونکہ مجھ سے بڑے ہیں اس لئے میں انہیں سیلوٹ تک کرنے میں کوئی عار نہیں سمجھتا۔ البتہ سیاسی نقطۂ نظر سے ہمیں یہی دعا کرنی چاہئے کہ اللہ پاکستان کو وہ دن نہ دکھائے جب ہمارے جنرل ایسا کریں۔

اس وقت اس مصافحہ کو واجپائی کی پسپائی سمجھنا عقل کا فقدان ہوگا۔ مقبوضہ کشمیر کی پُر فشار صورت حال کے سبب اب اس مسئلے کو حل ہونا چاہئے لیکن بھارتی قیادت سنجیدگی اختیار کرنے کو قطعاً تیار نہیں ہے۔ برصغیر کے مسلمانوں کے خلاف صدیوں سے سازشوں کے جال بنے جاتے رہے

> کشمیر کی چنگاری سلگانے کا اصل مقصد اکھنڈ بھارت کے خواب کی تکمیل ہے

ہیں۔ جنگ کے حالیہ خطرے سے یہ موہوم سی امید ہو چلی تھی کہ اب غالباً یہ ہمارے لئے نقارۂ بیداری ثابت ہوگا اور ہم بھارتی کلچر کے نرغے سے باہر نکل آئیں گے...... لیکن ہم پاکستانی قوم جنہوں نے تین جنگیں دیکھیں' ۹۳ ہزار فوجیوں کو ہتھیار ڈالتے دیکھا' ایک بازو کٹتے دیکھا آج اپنے سدھار کا یہ آخری موقع بھی گنوانے پر تلے ہوئے ہیں۔ ہمارے لباس' رسومات اور طور و اطوار گواہی دے رہے ہیں کہ بندے ماترم کو بھارت کے ساتھ ساتھ پاکستان میں بھی فروغ دیا جا رہا ہے۔ اگر ہمیں اب بھی ہوش نہ آیا تو بھارت کو اپنی فوج کو زحمت نہیں دینی پڑے گی بلکہ ہم خود ہی خوشی خوشی ''فتح'' ہو جائیں گے۔ پھر ہماری نسلیں اپنی آزادی اور بقا کی جنگ لڑتے ہوئے ہمیں جن الفاظ میں یاد کریں گی' وہ تاریخ کے سیاہ حروف کہلائیں گے۔ آیئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کہانی کا رخ ہمارے حق میں پھیر دے...... ایسے بدترین انجام سے پہلے!

> باطل کے فال و فر کی حفاظت کے واسطے
> یورپ زرہ میں ڈوب گیا دوش تا کمر!
> ہم پوچھتے ہیں شیخ کلیسا نواز سے
> مشرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں بھی ہے شر

المیزان بینک اور اس کی ورکنگ

سینئر وائس پریذیڈنٹ انوسٹمنٹ کارپوریشن آف پاکستان جناب عبداللطیف عقیلی کی رائے

جناب حافظ عاکف سعید صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

المیزان بنک اور اس کے ایڈوائزری بورڈ کے معزز اراکین سے جناب فرقان دانش' نائب مدیر ندائے خلافت کی خط و کتابت کے مطالعہ کے بعد المیزان بنک کی کارکردگی کے حوالے سے اپنی رائے ارسال کر رہوں کہ اس کا نظام سودی ہے یا بلاسود۔

دراصل المیزان بینک مرابحہ کے انداز میں سرمایہ کاری کر رہا ہے۔ اب اس نے اجارہ (پٹہ) کا پروجیکٹ بھی متعارف کرا دیا ہے۔ جلد ہی وہ ''کار لیزنگ'' کا آغاز کر رہے ہیں۔ علاوہ ازیں بینک ایک نیا ''اسجر ار پروڈکٹ'' تیار کر کے بھی اپنے صارفین کو پیش کر رہا ہے جو زیر استعمال سرمایہ پر لین دین کرے گا۔

۱۔ مرابحہ فنانسنگ

یہ حقیقت میں اسلامی فقہ کی ایک اصطلاح ہے اور اس کا اطلاق ایک خاص قسم کی فروخت پر ہوتا ہے' جس کا لین دین کے اصل مفہوم سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر ایک فروخت کنندہ خریدار کے ساتھ اس بات پر اتفاق کر لیتا ہے کہ وہ اسے فلاں مال لاگت کے اوپر اتنے منافع پر بیچے گا تو یہ مرابحہ کا لین دین کہلاتا ہے۔ مرابحہ فنانسنگ کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ فروخت کنندہ مال کے حصول کے سلسلہ میں اصل لاگت بتا دیتا ہے اور پھر اس پر کچھ منافع لگاتا ہے۔ یہ منافع یک مشت بھی ہو سکتا ہے اور فیصد کی حساب سے بھی۔ اس طرح مرابحہ حقیقت کے اعتبار سے لین دین کا انداز نہیں ہے۔ صرف ایک خصوصیت جو اسے فروخت کے دوسرے طریقوں سے ممیز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اس میں فروخت کنندہ واضح طور پر خریدار کو بتا دیتا ہے کہ اس کی لاگت کتنی آئی ہے اور اس پر وہ کتنا منافع لے رہا ہے۔

جب خرید و فروخت کے انداز میں مرابحہ کا طریقہ استعمال ہوا ہو وہاں ہمیشہ ادائیگی نقد نہیں ہوتی۔ سرمایہ کار نقد سودا خریدتا ہے اور گاہک کو ادھار دیتا ہے۔ وہ ادھار سودا بیچتے ہوئے اس مدت کو بھی پیش نظر رکھتا ہے جس کے بعد صارف ادائیگی کرتا ہے اور اسی شرح سے وہ مال کی قیمت بھی بڑھاتا جاتا ہے۔ اس طرح وہ مارک اپ کا عنصر اس میں شامل کر دیتا ہے۔ اس کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ کتنی مدت بعد رقم واپس کی جاتی ہے یا قیمت فروخت کی ادائیگی کی جاتی ہے۔ اس طرح موجودہ شرح کے مطابق مارک اپ قیمت خرید میں شامل کر کے قیمت فروخت کا تعین کیا جاتا ہے۔ اس لئے ایسا معاملہ غیر سودی معاملہ نہیں سمجھا جا سکتا۔

مزید یہ کہ اجارہ کی صورت میں شرح سود قرض لی گئی رقوم کے حساب سے مقرر کی جاتی ہے۔ وہ لوگ وہی منافع اجارہ کے ذریعے حاصل کرنا چاہتے ہیں جو مروجہ بینکوں سے پیشگی ادائیگی پر سود کی بنیاد پر لیا جاتا ہے۔ اس طرح وہ رقم پر کرایہ کو سود کی رائج الوقت شرح کے ساتھ منسلک کر دیتے ہیں۔ اس طرح کاروبار سودی بنیاد پر ہی استوار ہوتا ہے۔

مرابحہ لین دین میں سرمایہ کار خود سامان خریدتا ہے اور بیچنے سے پہلے وہ اپنی تحویل میں رکھتا ہے۔ کبھی کبھی گاہک براہ راست مال خرید لیتا ہے مگر ایسی صورت میں وہ صرف امانت دار ہوتا ہے جب کہ مالک سرمایہ کار ہوتا ہے اور اس طرح مالک ہونے کے ناطے نقصان کا اندیشہ بھی اسی کو ہوتا ہے۔ لیکن جب گاہک سرمایہ کار سے مال خرید لیتا ہے تو ملکیت بھی اور نقصان کی ذمہ داری بھی گاہک پر آ جاتی ہے۔

زیر حوالہ خط و کتابت میں جسٹس محمد تقی عثمانی کہتے ہیں کہ اسلامی بینک مشکل صورت حال میں کام کر رہے ہیں اور ان کے کارندے سودی بینکوں ہی کے تربیت یافتہ ہیں۔ اس لئے یہ بات انتہائی مشکل ہے کہ وہ بالکل شریعت کے مطابق کام کر سکیں۔ ایسی صورت میں شریعت کے ضابطے کے مطابق نگرانی کی جاتی ہے لیکن یہ بات یقینی نہیں کہ تمام شرعی ہدایات پر سختی کے ساتھ عمل کیا جا رہا ہے۔

شرعی ایڈوائزر مسٹر عمران اشرف عثمانی تسلیم کرتے ہیں کہ علماء مرابحہ اور اجارہ کی اجازت صرف اسی وقت دیتے ہیں جہاں سود سے بچنے کا کوئی دوسرا راستہ موجود نہ ہو۔ وہ مزید تسلیم کرتے ہیں کہ مشارکہ اور مضاربہ لین دین کے نسبتاً بہتر طریقے ہیں۔ مگر اس کی بجائے بینک نے مضاربہ اور مشارکہ کے لین دین کو معمولی رقوم تک محدود کر دیا ہے۔

یہاں میں اپنا تجربہ بیان کرتا ہوں کہ کوئی بھی لین دین جو مشارکہ اور مضاربہ کی طرح نفع ونقصان کی بنیاد پر ہوا ہے' وہ کامیاب نہیں ہوا۔ اس لئے لین دین کا یہ انداز جو کہ صحیح اسلامی انداز ہے' اس وقت تک قبول عام حاصل نہ کر سکے گا جب تک حکومت حساب رکھنے کے تحت قوانین نافذ نہیں کرتی۔ قرض دینے والے ادارے اس طرح کے لین دین میں نقصان اٹھاتے ہیں۔ اگر مشارکہ یا مضاربہ یا نفع نقصان کی شرکت والا انداز دوبارہ آزمایا گیا تو اس کا بالکل وہی حشر ہو گا۔ اسی لئے المیزان بنک نے مرابحہ اور اجارہ کے تحت جو لین دین شروع کیا ہے وہ بالکل مارک اپ کے رائج الوقت طریقے پر مبنی ہے۔

مضاربہ کی طرح اجارہ بھی بنیادی طور پر لین دین کا انداز نہیں ہے۔ یہ صرف کاروبار کا وہ طریقہ ہے جس میں 'ایک متفقہ مدت کے لئے متفقہ انداز میں ایک شخص کی جائیداد محض استفادہ کے لئے دوسرے شخص کو منتقل کر دی جائے۔ تاہم اجارہ کو لین دین میں لمبی مدت کے قرضوں جو سود کی بنیاد پر ہوں' کی بجائے اختیار کیا گیا۔ اس قسم کے اجارہ کو مالیاتی اجارہ کہا جاتا ہے تاکہ اسے مروجہ اجارہ سے ممیز کیا جا سکے اور حقیقی اجارہ کی بہت سی بنیادی خصوصیات اس کے اندر شامل کر دی گئی ہیں۔ غیر سودی بینکاری کے رائج ہونے کے بعد اس بات کا احساس کیا گیا کہ اجارہ شریعت کے مطابق جائز کاروبار ہے اور اسے بلاسود بینکاری کے طور پر اختیار کیا جا سکتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ مالیاتی اجارہ کی بہت سی خصوصیات اجارہ کے صحیح کاروبار کی نسبت سود سے زیادہ مشابہ ہیں۔

چونکہ شریعت میں پیشگی فروخت کی اجازت نہیں ہے مگر آئندہ کی کسی تاریخ پر اجارہ کی اس شرط پر اجازت ہے کہ کرایہ کی ادائیگی اس وقت ہو گی جب مال پٹہ پر لینے والے کے سپرد کر دیا جائے گا یعنی مالیاتی ادارہ پٹہ پر لینے والے سے خود مال خریدتا ہے۔ پٹہ پر لینے والا پٹہ پر دینے والے کے لئے مال خریدتا ہے جو کہ سپلائی کرنے والے کو اس کی قیمت ادا کرتا ہے یا تو خود یا پٹہ پر لینے والے کے ذریعے۔ اجارہ کے کچھ معاہدوں میں اجارہ اسی دن نافذ ہو جاتا ہے جس دن پٹہ پر دینے والا قیمت ادا کر دیتا ہے'

بلالحاظ اس بات کے کہ پٹہ پر لینے والے (Leasee) نے سپلائی کرنے والوں کو ادائیگی کر دی ہے اور مال وصول کر لیا ہے۔

مزید یہ کہ لیز میں سود کی شرح کرایہ کی رقوم کا تعین کرنے کے لئے بطور بنچ مارک (Bench Mark) استعمال کی جاتی ہے۔ وہ وہی منافع بذریعہ لیز کمانا چاہتے ہیں جیسا کہ روایتی بنک پیشگی قرضوں کے ذریعے سود کی بنیاد پر کماتے ہیں۔ اسی لئے وہ کرایوں کو رائج الوقت شرح سود کے ساتھ منسلک کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ لین دین سودی بنیادوں پر استوار لین دین کے مشابہ ہو جاتا ہے۔

جہاں تک بنک کے اکاؤنٹس کا تعلق ہے تو 30 جون 2001ء کو ختم ہونے والے سال میں کرنسی تبادلے کی ترتیب 278.733 ملین روپے اور فیس اور کمیشن 102.733 ملین روپے ہے۔

کرنسی تبادلے کی ترتیب جو کہ 278.733 ملین روپے ہے' کمپنی کی سالانہ رپورٹ 30-6-2001 کو ختم ہونے والے سال سے لی گئی ہے جو کہ درج ذیل ہے:

''کمپنی کرنسی تبادلے کی ترتیب میں سٹیٹ بنک آف پاکستان کے ساتھ منسلک ہو گئی ہے۔ ان انتظامات کے تحت کمپنی نے ۳۵ ملین ڈالر خریدے ہیں اور پانچ سے دس سال کی مدت کے لئے سٹیٹ بنک آف پاکستان کے سپرد کر دیئے ہیں۔ ہر معاہدے پر سال گزرنے کے بعد کمپنی وہ فرق ادا کرے گی یا وصول کرے گی جو معاہدے کرتے وقت طے پائی گئی شرح اور سرکاری شرح میں ہو گا جو امریکی ڈالر کی رقوم کے تبادلے کے لئے لاگو ہو گی جو سال کے اختتام پر ہو گا۔ معاہدے کی مدت ختم ہونے پر سٹیٹ بنک آف پاکستان کو اس شرح پر ڈالر کمپنی کو ادا کرنے ہوں گے جو کہ پچھلے سال کے اختتام پر مقررہ معیاد کے پورا ہونے کے فوراً پہلے سال تھی۔ تاہم ترمیم شدہ انتظامات کے تحت جو کہ سٹیٹ بنک نے مقرر کیے سٹیٹ بنک آف پاکستان سے امریکی ڈالر واپس خریدنے کی بجائے اب کمپنی مساوی روپے وصول کرے گی یا ادا کرے گی۔''

182.850 ملین روپے جن کی ادائیگی حساب بے باق کرنے پر کی گئی وہ امریکی ڈالروں کی قیمت خرید پر زیادتی کو ظاہر کرتے تھے جو کہ امریکی ڈالروں کو سٹیٹ بنک آف پاکستان کے حوالے کرنے کے معاہدوں پر وصول ہوئی تھی۔ ان تبادلے کے انتظامات کے اپنی اپنی مدت کے بعد کمپنی کو توقع تھی کہ وہ اپنی اصل لاگت وصول کرے گی۔ اس لئے وہ حساب بے باق کرنے کی اس مدت کو زیادہ سے زیادہ پانچ سال کی مدت پر پھیلا رہی تھی۔

انتظامات میں ان ترمیمات کے پیش نظر جو سٹیٹ بنک آف پاکستان نے سال کے دوران کیں اور اس تبدیلی کے پیش نظر جو معاملے کے آغاز سے شرح تبادلہ میں ہوتی رہی' کمپنی نے محتاط رویہ اختیار کرتے ہوئے ان کھاتوں میں یکم جولائی 2000ء کے مطابق بے باقی کی بقیہ رقم مکمل طور پر وصول کر لی بجائے اس کے اسے پانچ سال تک پھیلا دیا جاتا۔

اگر کمپنی اپنا انداز تبدیل نہ کرتی اور حساب چکانے کی مدت کو پانچ سال پر پھیلائے رکھتی تو سالانہ ٹیکس کٹوتی کے بعد سال کا منافع بڑھ کر 93.915 ملین روپے ہو جاتا۔

بیلنس شیٹ کی تاریخ کو کمپنی معاہدات کی دوبارہ ویلیو لگاتی ہے اور اس طرح نکلنے والا نفع یا نقصان پی ایل ایس اکاؤنٹس کو دے دیا جاتا ہے۔ کرنسی کے تبادلے کا خالص نفع/نقصان اس طرح ہے:

	2001ء	2000ء
	(ہزار روپے میں)	
کرنسی کے تبادلے کے تحت خالص منافع	408,916	32,698
کمی: کرنسی کے تبادلے کے تحت بے باقی کے اخراجات	130,485	36,570
	278,431	3,872

408,916 ملین روپوں کے کرنسی تبادلے کے انتظامات کے تحت آمدنی اس آمدنی کے مطابق ہے جو غیر ملکی کرنسی کے ڈیپازٹ پر ہوئی جو کہ پروٹیکشن آف اکانومک ریفارم ایکٹ 1992ء کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہوتے ہیں۔

مشارکہ اور مضاربہ حسابات پر منافع 125 ملین ہے۔ نوٹ میں مشارکہ اور مضاربہ سے ہونے والے منافع کی تفصیل نہیں بتائی گئی۔ چونکہ 30 جون 2001ء کو ختم ہونے والے سال میں مشارکہ حسابات کے اثاثے صفر ظاہر کئے گئے ہیں اور 30 جون 2000ء کو ختم ہونے والے سال کے یہ اثاثے 25 ملین روپے بتائے گئے ہیں اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مشارکہ حسابات کو بنک نے 25 ملین روپے سے کم کر کے صفر تک پہنچا دیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ مشارکہ حسابات سے آمدنی انتہائی معمولی ہو گی۔

جناب فرقان دانش نے اپنے خط میں مختلف نکات اٹھائے ہیں' جن کی وضاحت درج ذیل سطور میں کی جاتی ہے:

۱۔ بینک نے کے ای ایس سی کو مرابحہ کی بنیاد پر قرض دیا ہے جو کہ سودی بنیاد پر چلنے والے حسابات کے قریب قریب ہے۔

۲۔ بینک کے معاملات میں انشورنس شامل ہے۔ اس بات کو شرعی ایڈوائزر مسٹر محمد عمران نے تسلیم کیا ہے اور اس کے حق میں یہ کہا ہے کہ یہ بینک کاری کے موجودہ قواعد وضوابط کے تحت رکھا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم یہ حسابات اسلامی اصولوں کے عین مطابق نہیں چلا سکتے۔

۳۔ بینک وہ اثاثے فروخت کرتا ہے جن کا وہ مالک نہیں ہوتا۔ مسٹر محمد عمران نے وضاحت کی ہے کہ مرابحہ کے اصولوں میں یہ بات طے شدہ ہے۔ مگر مرابحہ حسابات کا جواز خود متنازعہ فیہ ہے۔

مزید یہ کہ ایسے حسابات میں Arrangement Fee کی مد میں آمدنی 101.095 ملین روپے ظاہر کی گئی ہے۔ یہ غیر ملکی کرنسی کے سٹیٹ بنک آف پاکستان کے ساتھ تبادلے میں اس کے صارفین کی خاطر کمائی گئی۔ بنک کے شرعی ایڈوائزری بورڈ نے سٹیٹ بنک آف پاکستان کے ساتھ تبادلے کے حسابات کا جائزہ لیا ہے اور بتایا ہے کہ اس نہج پر چلائے گئے معاملات ناجائز نہیں ہیں۔ مگر میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ ناجائز ہیں۔ یہ اس لئے کہ خرید کی گئی کرنسی پر کمائی ہوئی یہ آمدنی اثاثوں کے بغیر ہے۔

۴۔ پی ایل ایس اکاؤنٹس سے 5 ملین روپے کی آمدنی اور 80 ملین روپے کی دوسری آمدنی

اسلامی بنک کے ساتھ پی ایل ایس اکاؤنٹس: 30 جون 2001ء کو ختم ہونے والے سال کی سالانہ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ مشارکہ معاہدوں کے ذریعے ایک چیز تیار کی گئی ہے' جہاں بنک واضح اجارہ اور متعلقہ بینکوں کے مرابحہ معاملے میں شریک ہوتا ہے۔ اگر مرابحہ اور اجارہ ناجائز ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہیں ہیں تو پی ایل ایس اکاؤنٹس بھی جائز نہیں سمجھے جا سکتے۔

دوسری آمدنی کو جو سٹیٹ بنک کے ساتھ کرنسی کے تبادلے میں ہوئی ہے' اوپر دیئے گئے پیراگراف میں واضح کیا گیا ہے۔ اس کو بھی شریعت کے تحت جائز آمدنی شمار نہیں کیا جا سکتا۔

۵۔ بہت سے مالی معاملات مشیر شرعی امور کے علم میں لائے بغیر عمل میں لائے جاتے ہیں۔

اس بات کو بنک کے سینئر نائب صدر نجم الحسن نے تسلیم نہیں کیا اور بتایا ہے کہ تمام مالی امور مشیر شرعی امور کی منظوری سے چلائے جاتے ہیں۔ اس کی منظوری کے بغیر کسی معاہدے پر دستخط نہیں ہوتے۔ بینک کا ایک بیرونی شریعہ بورڈ بھی ہے جو بنک کی مجموعی کارکردگی کا جائزہ لینے کے لئے باقاعدگی کے ساتھ اجلاس منعقد کرتا ہے۔

۶۔ جہاں تک بے پردہ خواتین کے کام کرنے کا تعلق ہے' مسٹر محمد عمران اشرف نے اس کو تسلیم کیا ہے اور بینک کے شرعی بورڈ کو تجویز پیش کی ہے کہ وہ بینک میں کام کرنے والی خواتین کو ہدایات جاری کریں کہ وہ اسلامی اصولوں کے مطابق پردہ کریں۔ مگر ایسی کوئی ہدایت جاری نہیں کی گئی۔ ایسی ہدایات تو فوراً جاری ہونی چاہئیں۔

مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں میری رائے یہ ہے کہ متذکرہ مالی معاملات کے حسابات یعنی مرابحہ' اجارہ اور سٹیٹ بنک آف پاکستان کے ساتھ کرنسی تبادلے کی صورت کو شرعی نقطہ نظر سے جائز تصور نہیں کیا جا سکتا۔

امریکہ عنقریب تباہ ہو جائے گا

امریکہ بہت عرصہ سے اس تاک میں تھا کہ کہیں اسے ایک بہانہ ایسے ہاتھ لگے جس سے وہ جنوبی ایشیاء میں اترے اور وہاں کے عوام کو براہ راست غلام بنائے تاکہ نیو ورلڈ آرڈر یا بالفاظ دیگر امریکہ کی خدائی دنیا کے دوسرے خطوں کی طرح یہاں بھی قائم ہو جائے۔ انسانوں کو غلام بنانا حکمرانی کا وہ لازمہ ہے جس سے کوئی بھی حکمران دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ ہر حکمران جسے کچھ نہ کچھ مادی طاقت حاصل ہو جاتی ہے وہ فرعون بننے کی کوشش کرتا ہے۔ قرآن نے جتنے بھی معذب قوموں کا ذکر کیا ہے ان سب کے متعلق اس بات کو ایک اصول کے طور پر بیان کیا ہے کہ جب ان کو مادی وسائل ملے تو انہوں نے اپنی

ہر حکمران اپنی مادی طاقت کے بل بوتے پر فرعون بننے کی کوشش کرتا ہے

اپنی خدائیاں بنا کر دنیا کے امن کو غارت کر دیا۔ گویا کہ امریکہ آج مادی ترقی کے زعم میں جو کچھ کر رہا ہے وہ کوئی نیا واقعہ نہیں بلکہ معلوم دنیا کی تاریخ میں یہ واقعہ اس سے پہلے کئی بار رونما ہو چکا ہے۔ فراعنۂ مصر، نمرود و شداد، قیصر و کسریٰ، چنگیز خان و ہلاکو خان اور ان جیسے ان گنت مطلق العنان بادشاہ ان واقعات کے وہ کردار ہیں جس سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ بقول شاعر ع

اسکندر و چنگیز کے ہاتھوں سے جہاں میں
سو بار ہوئی حضرت انسان کی قباء چاک

اس پس منظر میں قرآن نے مصر کے ایک ظالم اور جابر حکمران کے ان تمام رزائل کی نشاندہی بڑی وضاحت کے ساتھ کی ہے جو فرعونی شخصیت کے ناگزیر لوازم ہوتے ہیں۔ آج یہی رزائل بتمام وکمال امریکہ کے حکمران میں موجود ہے لہٰذا وہ فرعون کا روپ دھار کر اپنے پیشرو کی طرح سب کچھ کرنے پر تلا ہوا ہے۔ امریکہ کے اس ارج (فرعون بننے کا) تو ویسے پوری دنیا کو علم ہے اور تھا لیکن فرعون بننے کی اس امریکی خواہش کے خلاف کھل کر کسی میں بات کرنے کی سکت نہ ہوئی مگر ہر فرعونے را موسیٰ کے مصداق ایک قوت افغانستان کی سرزمین پر ابھری جس کا نام طالبان ٹھہرا۔ بلکہ اسے اگر طالبان خدا کہہ لیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنے خدا کے مقابلے میں امریکہ کی خدائی کا برملا انکار کیا۔ انہوں نے اول روز سے امریکہ کے اس فرعونی کردار کو ہدف تنقید بنایا۔ طالبان کا کہنا تھا کہ امریکہ جب تک صفحۂ ہستی پر اپنے ان مذموم عزائم کے ساتھ موجود رہے گا دنیا میں عدل و انصاف اور امن و سلامتی قائم نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے امریکہ کے نقلی چہرہ سے پردہ ہٹا کر دنیا کے سامنے اس کا اصلی چہرہ آشکارا کیا۔

مولانا غلام اللہ حقانی

بقول طالبان امریکہ دنیا میں اپنی خدائی قائم کرنا چاہتا ہے۔ طالبان کی یہ رائے صد فیصد صحیح ہے۔ اس لئے کہ امریکہ اس ایجنڈے پر کارفرما ہے جو حضرت موسیٰؑ کے زمانے کے فرعون نے اپنایا تھا۔ فرعون کے ایجنڈے کے مختلف شقوں کو قرآن حکیم نے یوں بیان کیا ہے۔

۱) وہ اپنی طاقت کے نشہ میں اپنے جیسے انسانوں کا خدا بنا تھا اور محض طاقت کے حق کی بناء پر بادشاہی کرتا تھا۔ (القصص:۳۸،۳۹)

۲) وہ قبول حق سے لوگوں کو جبراً باز رکھتا تھا۔ (طٰہٰ:۷۱)

۳) اس نے اپنی رعایا کی ذہنی و اخلاقی حالت کو بگاڑ کر اتنا ذلیل کر دیا تھا کہ وہ اس کی غلامانہ اطاعت پر راضی ہو گئی۔ (الزخرف:۵۴)

۴) اس کی حکومت کی بنیاد ناجائز اور غلط قوانین پر تھی۔ (ہود:۹۷)

۵) اس نے ایک قوم کو کمزور پا کر اپنا غلام بنا لیا تھا۔ (الشعراء:۲۲)

درج بالا قرآنی حقائق بیان کرنے کے بعد اس امر میں قطعاً کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ آج کا فرعون اور قرآنی فرعون ایک ہی کہانی کے دو کردار ہیں بلکہ مرور زمانہ

دنیا آج کے فرعون کی تباہی و بربادی کی بڑی شدت سے منتظر ہے

اور ارتقاء سے ہمارے دور کے فرعون کو اس فرعون پر بڑی واضح برتری حاصل ہے۔ چنانچہ اس دور کے فرعون سے تو حضرت موسیٰؑ نے مدین ہجرت کر کے امن پایا۔ مگر آج کے فرعون کا برملا اعلان یہ ہے کہ میری خدائی اور فرعونیت کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے والا میرے عتاب سے کہیں بھی چھپ نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ آج کا فرعون مادی وسائل کے زعم میں جو کچھ کر رہا ہے وہ اس لئے کہ طالبان خدا نے اس کی خدائی کو چیلنج کیا ہے بلکہ طالبان نے ان تمام ممالک پر بھی کڑی تنقید کی جو امریکی خدائی کے زیر سایہ پھل پھول رہے ہیں۔ طالبان نے وقت کے اس فرعون اور اس کے حواریوں کو براہ راست متنبہ کیا کہ وہ دنیا کے امن کو سبوتاژ کرنے سے باز رہے۔ مسلمان ممالک سے اتحادی افواج نکل جائیں۔ فلسطین، بوسنیا، کوسوو، چیچنیا میں اس کے اتحادی ظلم بند کریں۔ فرعون وقت نے اس بات کو بڑی سنجیدگی سے لیا۔ اس لئے کہ اسے معلوم تھا کہ یہ خالی خولی دھمکی نہیں بلکہ اس میں طالبان خدا کا آہنی عزم بھی ہے۔ چنانچہ امریکہ نے اسے دہشت گردی کا نام دے کر طالبان کو ختم کرنے کا تہیہ کیا۔ اسامہ اور القاعدہ کو تو امریکہ نے محض ایک بہانے کے طور پر Propagate کیا۔

فرعونیت کے ناگزیر لوازم بتمام وکمال امریکہ میں موجود ہیں

افغانستان پر حملہ کی تیاری تو وہ ۱۱ ستمبر کے واقعہ سے بہت پہلے کر چکا تھا۔ ۱۱ ستمبر کے واقعہ نے اس بہانے میں گاڑھا پن پیدا کر دیا۔

اگرچہ امریکہ نے اپنی اس فرعونی جذبے کو کسی حد تک پورا کرنے کی کوشش کی ہے مگر اب دیکھنا یہ ہے کہ وقت کا یہ فرعون کب تباہ ہوتا ہے اور اس کی مادی طاقت اہل حق کے مقابلے میں کب سرنگوں ہوتی ہے۔ اس لئے کہ تاریخ عالم بھی گواہ ہے اور قرآن نے بھی ہر دور کے فرعون کا واقعہ اس کی تباہی اور بربادی کو اجاگر کرنے کے لئے بطور عبرت بیان کیا ہے۔ خواہ وہ فرعونی کردار قوم عاد اور ثمود کی شکل میں ابھر کر تباہ ہوا یا قوم شعیبؑ اور قوم لوطؑ کی شکل میں نمودار ہو کر تباہ ہوا۔ گویا کہ قرآنی فرمان ان الباطل کان ذھوقا کے مصداق کسی کا فرعون بننا ہی اس بات کا واضح اشارہ ہوتا ہے کہ وہ عنقریب تباہ ہونے والا ہے۔ (ان شاء اللہ)

ضرورت رشتہ

کراچی کے مستقل رہائشی، صوم وصلوٰۃ اور پردے کی پابند اردو سپیکنگ فیملی سے وابستہ ایک سکن سپیشلسٹ، عمر ۳۴ سال، مستحکم آمدنی کے لئے اردو سپیکنگ، خوش شکل، باپردہ اور پابند صوم وصلوٰۃ لیڈی ڈاکٹر کا رشتہ درکار ہے۔

رابطہ (کراچی): ڈاکٹر شبانہ صدیقی

(5048872,5040761)

نیا منظر نامہ

سوویت یونین کا شیرازہ بکھرنے کے بعد امریکہ اور مغرب میں خوشی (Euphoria) کی ایک لہر دوڑ گئی تھی۔ خاص طور پر امریکی دانشور خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے اور یہ دعویٰ کر رہے تھے کہ سوویت یونین کا انہدام اس لئے ہوا ہے کہ کمیونزم ایک غیر فطری نظام ہے جو اس دور میں ناکام ثابت ہو چکا ہے۔ یہ دور تو سرمایہ داری (Capitalism) اور آزاد معیشت (Free enterprise) کا دور ہے۔ خوشی اور رعونت کے ان ملے جلے جذبات سے سرشار ہو کر انہوں نے اپنا یہ دعویٰ بھی دہرانا شروع کر دیا تھا کہ ہماری تہذیب ہی بہترین ہے۔ ہمارا نظام جمہوریت صدیوں سے آزمودہ ہے اور موجودہ دور کا کامیاب ترین سیاسی نظام بھی یہی ہے!

سوویت یونین کے بکھر جانے کے بعد امریکہ نے مشرقی یورپ اور وسطی ایشیاء کے وسیع قدرتی ذخائر اور منڈیوں پر قابض ہونے کے خواب دیکھنے شروع کر دیئے تھے۔ چنانچہ ایک طرف تو اس کی بڑی بڑی ملٹی نیشنل کمپنیوں نے منڈیوں کے حصول کے لئے تگ و دو شروع کر دی تو دوسری جانب امریکہ نے اس مقصد کے لئے اپنی خفیہ تنظیم CIA کی منصوبہ بندی سے افغانستان پر تسلط جمانے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ یہ حقیقت اب کھل کر سامنے آ چکی ہے کہ افغانستان پر قبضے کا منصوبہ ۱۱ ستمبر کے واقعہ سے بہت پہلے بن چکا تھا۔ امریکہ کو محض ایک جواز کی تلاش تھی جو اسے ۱۱ ستمبر نے مہیا کر دیا! امریکہ اچھی طرح جانتا ہے کہ بیس پچیس سال کے اندر خلیجی تیل کے ذخائر ختم یا ختم ہونے کے قریب ہو جائیں گے۔ اسی لئے وہ افغانستان پر اپنا تسلط جما کر وہاں آ بیٹھا ہے۔ اس کے پیش نظر دو مقاصد تھے: اولاً وسطی ایشیاء کے وسیع و عریض علاقے پر قبضہ، جو بحیرہ کیسپئن تک پھیلا ہوا ہے اور تیل اور معدنیات کی دولت سے مالا مال ہے۔ ثانیاً افغانستان میں طالبان کی حکومت کا خاتمہ۔ امریکہ کو ڈر تھا کہ طالبان نے اپنی بے سروسامانی کے باوجود جس اسلامی حکومت کی خشت اول رکھ دی ہے وہ پاکستان تعاون سے آئندہ ایک مضبوط ملک کے طور پر ابھر سکتی ہے۔ پاکستان جوہری صلاحیت حاصل کر چکا اور تکنیکی اعتبار سے اسلامی دنیا میں سرفہرست ہے۔ آنے والے وقت میں ان دو مسلمان ممالک میں باہمی اشتراک کے نتیجے میں ایک کنفیڈریشن وجود میں آ سکتی ہے۔ اگر ایسا ہو گیا تو یہ نئے امریکی سامراج (Neo American Colonialism) کے لئے ایک بہت بڑا خطرہ ثابت ہوگا!

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرار آرزو

آپ کو یاد ہوگا امریکی صدر بش نے ۱۱ ستمبر کے واقعے پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے غیض و غضب کا اظہار کیا تھا اور جہاں اور باتیں کہیں وہاں یہ بھی ارشاد ہوا کہ ۱۱ ستمبر کے واقعے کے بعد امریکہ کبھی بھی ویسا نہیں ہو سکتا جیسا اس سے پہلے تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ امریکہ تو کیا ساری دنیا اب ۱۱ ستمبر کے واقعے کے بعد پہلے جیسی نہیں رہی! سوویت یونین کے انہدام اور افغانستان پر امریکی قبضے کے بعد منظر نامہ

محمد سہیل قریشی

(Scenario) بالکل بدل چکا ہے۔ امریکہ نے وسطی ایشیاء کے وسیع و عریض ذخائر پر قبضہ کرنے کے جو خواب دیکھے تھے وہ اب پورے ہوتے نظر نہیں آتے! یکم ستمبر ۲۰۰۱ء کو جب امریکہ اور برطانیہ اپنے حلیفوں سے مل کر اسلامی ملک افغانستان سے اپنے Crusade کا آغاز کر رہے تھے عین اسی دن ماسکو میں ایک نہایت اہم اجلاس ہو رہا تھا۔ سوویت یونین کی بارہ ریاستوں کے صدور قازقستان کے صدر سلطان نذر بایوف کی تجویز پر ماسکو میں اکٹھے بیٹھ کر سوویت یونین کے مضمحل جسم میں ایک حیات تازہ پھونکنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ اس اجلاس میں بڑے دوررس فیصلے کئے گئے۔ متفقہ طور پر یہ فیصلہ ہوا کہ بہت جلد OPEC کی طرز پر ایک تنظیم بنائی جائے گی اور یورپین کامن مارکیٹ کی طرح مشترک کرنسی رائج کی جائے گی۔ ایک مربوط معاشی تعاون پر بھی سب کا اتفاق تھا۔ اہم ترین بات یہ کہ خطے کے ۵ ممالک کے مابین ایک دفاعی معاہدے پر کامل اتفاق ہو چکا ہے۔ صرف اس کا اعلان ہونا باقی ہے! وہ ممالک یہ ہیں: چین، روس، قازقستان، ازبکستان، ترکمانستان۔ یہ جو نیا اتحاد وجود میں آتا دکھائی دے رہا ہے یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے! سوویت یونین کی وہ ریاستیں جو وفاق سے علیحدہ ہو گئی تھیں (سوویت یونین کے آئین میں وفاق سے علیحدہ ہونے کی گنجائش موجود ہے۔ A state may secede from the Union.....) ان میں سے بہت سی وسطی ایشیائی ریاستیں ایسی ہیں جو روس سے کامل علیحدگی کے بعد مشکلات میں گھر گئی ہیں کیونکہ ان کی معیشت کا دارومدار روس پر ہے۔ یوکرائن کی مثال لیجئے: پچھلے سال یوکرائن نے روس کو گیس کا بل ادا نہیں کیا تھا۔ اس لئے روس نے یوکرائن کو گیس کی ترسیل بند کر دی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یوکرائن کے گھروں کے چولہے ٹھنڈے پڑ گئے اور صنعتیں بند ہو گئیں۔

چین کی مثال اس سمندر کی سی ہے جس کی سطح پر مکمل سکوت ہو لیکن اس کی گہرائی اتھاہ ہو۔

کہہ رہا تھا موج دریا سے سمندر کا سکوت
جتنا جس میں ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے

وہ دوسروں کے اندرونی معاملات میں عدم مداخلت کی پالیسی پر عمل پیرا ہو کر خاموشی سے اپنی طاقت میں مسلسل اضافہ کرتا رہا ہے اور اب ایک ایسی طاقت بن چکا ہے جس سے امریکہ خائف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ چین کے گھیراؤ یعنی Containment of China کی پالیسی اپنائے ہوئے ہے۔ افغانستان پر امریکہ کا تسلط اور اس کے عزائم چین اور روس دونوں کے لئے خطرے کی گھنٹی ہے! یہ دونوں ممالک اپنے نظریاتی اختلافات کے باوجود نئے امریکی سامراج (Neo American Colonialism) سے خائف ہیں اور اپنی بقا کے لئے آپس میں مل کر اس کے خلاف بند باندھنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ ایک زمانہ وہ تھا جب سوویت یونین کا وزیر اعظم اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں میز پر اپنا جوتا مار کر امریکی نمائندے کو للکارتا تھا۔ اب وہی سوویت یونین سمٹ کر روسی فیڈریشن تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ اس کے باوجود ایسا نظر آتا ہے کہ برفانی ریچھ اپنی یخ بستہ طویل نیند (Hibernation) سے بیدار ہوگا اور اپنی تنظیم نو کے بعد چچا سام کی مزاج پرسی کرے گا!

دنیا کے حالات تیزی سے بدل رہے ہیں۔ ایسے واقعات جن کا کل تک تصور بھی محال تھا اب حقیقت کا روپ دھار کر سامنے آ رہے ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

"Allah has got an envious way of working, seemingly aimlessly and to no purpose. However, something happens at the right moment and all the disconnected & remote pieces fly together to form a significant design!"

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کی تالیف
ایجاد و ابداع عالم سے عالمی نظام خلافت تک
تنزل اور ارتقاء کے مراحل
ملنے کا پتہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

اسرہ بٹ خیلہ کی ماہانہ شب بسری

۲۲ دسمبر ۲۰۰۱ء کو اسرہ بٹ خیلہ کی ماہانہ شب بسری محلہ اختر غونڈئی کی جامع مسجد عثمان ذوالنورینؓ میں منعقد ہوئی۔ بروقت اطلاع کے باوجود ۱۴ میں سے صرف تین رفقاء شریک ہوئے۔ حلقہ سرحد (شمالی) کے ناظم دعوت جناب مولانا غلام اللہ حقانی خصوصی دعوت پر تشریف لائے۔

پروگرام کا آغاز نماز مغرب کے بعد ہوا جس میں مولانا غلام اللہ حقانی نے موجودہ حالات کے تناظر میں مسلمانوں کی ذلت و مسکنت کے اسباب کو تفصیل سے بیان کیا۔ انہوں نے حاضرین مجلس کو فریضۂ اقامت دین کی ادائیگی کے لئے کسی منظم انقلابی ہیئت اجتماعیہ میں شامل ہونے کی دعوت دیتے ہوئے تنظیم اسلامی کے مشن اور لائحہ عمل کی وضاحت کی۔ انہوں نے کہا کہ تنظیم اسلامی بیعت کی منصوص، مسنون اور ماثور اساس پر قائم ہے اور یہ واحد تنظیم ہے جو عوام الناس سے نہ تو چندہ اکٹھا کرتی ہے اور نہ چندہ کی اپیل کرتی ہے بلکہ جملہ دعوتی اور تنظیمی امور نمٹانے کے لئے اپنے رفقاء کے جذبۂ انفاق و ایثار پر انحصار کرتی ہے۔ نماز عشاء کے بعد ملتزم رفیق جناب تنظیم الحق نے ''عبادت رب'' کے موضوع پر مختصر مگر جامع خطاب کیا۔ یہ ان کی پہلی تربیتی تقریر تھی۔ اس کے بعد رفقاء نے مولانا غلام اللہ حقانی کی موجودگی سے بھرپور استفادہ کیا اور ملکی و بین الاقوامی حالات سمیت مختلف دینی، تنظیمی، دعوتی اور تربیتی امور کے متعلق اپنے اشکالات رفع کرائے۔ اس نشست میں بعض رفقاء کے ذاتی اور گھریلو مسائل اور ان کے حل پر بھی غور و خوض ہوا۔ یہ سب سے طویل نشست تھی جو ڈھائی گھنٹے پر محیط رہی۔ ساڑھے دس بجے آرام کا وقفہ دیا گیا۔

نماز فجر کے بعد مولانا حقانی نے سورۃ الرحمٰن کی ابتدائی چار آیات پر درس دیتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو قوت بیانیہ دی ہے، یہ انسان کے اوصاف میں سے اعلیٰ ترین وصف ہے۔ لہٰذا اس کا بہترین مصرف یہی ہو سکتا ہے کہ اس کے ذریعے اللہ کے کلام کی تبلیغ و اشاعت کی جائے۔ اس دعوتی پروگرام میں رفقاء سمیت احباب کی اوسط حاضری چالیس رہی۔

(رپورٹ: شوکت اللہ شاکر)

اسرہ ٹوبہ ٹیک سنگھ کا سہ روزہ دعوتی و تبلیغی پروگرام

اسرہ ٹوبہ کا سہ روزہ دعوتی و تبلیغی پروگرام ۲۱ تا ۲۳ دسمبر ۲۰۰۱ منعقد ہوا جو حلقہ پنجاب (وسطی) کے امیر جناب مختار حسین فاروقی کے دروس و خطابات پر مشتمل تھا۔

۲۱ دسمبر: پروگرام کا آغاز صبح ساڑھے دس بجے گورنمنٹ ہائی سکول نمبر 1 کمالیہ میں درس قرآن سے ہوا۔ ایک گھنٹہ دورانیہ کا یہ درس سورۃ المنافقون کے دوسرے رکوع کے حوالے سے تھا۔ حاضرین میں زیادہ تعداد تعلیمی اداروں کے اساتذہ کی تھی۔ فاروقی صاحب نے کہا کہ جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی، امانت میں خیانت اور گالی گلوچ نفاق کی علامات ہیں جو مال و دولت سے محبت اور آخرت سے غفلت کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہیں۔ اس مرض کا علاج یہ ہے کہ یہی مال و دولت اللہ کے راستے میں خرچ کیا جائے۔ اس درس کو کم و بیش ۱۳۰ احباب نے بڑی توجہ سے سنا۔ خطاب جمعہ قاسمیہ مسجد ٹوبہ میں ہوا۔ فاروقی صاحب نے سورۂ دخان کی ابتدائی آیات اور سورۂ قدر کے حوالے سے عظمت قرآن پر گفتگو کی۔ بعد نماز عصر امیر حلقہ کی موجودگی میں اسرہ ٹوبہ کا تربیتی و تنظیمی اجلاس ہوا۔ مغرب کے بعد محلہ راجہ پارک میں سورۂ زمر کے چھٹے رکوع پر درس ہوا۔ فاروقی صاحب نے بتایا کہ انسان سے اگر غلطیاں سرزد ہو جائیں تو اسے فوراً اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنی چاہئے ورنہ اللہ کا عذاب آتا ہے۔ نماز عشاء کے بعد سورۂ نحل کی آیات ۹۰ اور ۹۱ کے حوالے سے درس ہوا۔ مذکورہ آیات میں عدل و احسان کے ساتھ ساتھ مال کو قرابت داروں پر خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور فحاشی، حرام کاموں اور اللہ کے خلاف بغاوت سے منع کیا گیا ہے۔ کم و بیش ۱۲۵ احباب نے اس درس میں شرکت کی۔

۲۲ دسمبر: نماز فجر کے بعد گورنمنٹ ڈگری کالج، ٹوبہ کی مسجد میں سورۂ بروج پر درس ہوا۔ فاروقی صاحب نے اصحاب الاخدود کے حوالے سے بتایا کہ اہل ایمان نے آگ میں جلنا پسند کر لیا لیکن حق کو چھوڑنا گوارا نہیں کیا۔ ساڑھے دس بجے انہوں نے تنظیم کے رفیق جناب محمد نواز کی رہائش گاہ پر ''بندۂ مومن کے اوصاف'' بیان کئے۔ انہوں نے بتایا کہ آدمی کو ایسی محنت کرنی چاہئے جس سے وہ آخرت میں کامیاب ہو جائے۔ اس خطاب کے بعد چند احباب سے دعوتی ملاقاتیں ہوئیں۔ مغرب کے بعد جامع مسجد گوبند پورہ میں سورۂ دخان کی ابتدائی آیات کے حوالے سے درس ہوا، جسے ۳۰ احباب نے سنا۔ نماز عشاء کے بعد محلہ رحمت آباد کی جامع مسجد میں سورۂ روم کے پانچویں رکوع پر درس دیا گیا، ۱۳۵ احباب نے اس درس کو سنا۔

۲۳ دسمبر: نماز فجر کے بعد جامع مسجد اقبال نگر میں سورۂ زمر کے چھٹے رکوع کے حوالے سے درس ہوا۔ اس ماہانہ درس کو اہل محلہ کے علاوہ شہر کے دوسرے مقامات سے آنے والے احباب نے بھی سنا۔ فاروقی صاحب کا اختتامی خطاب بعنوان ''موجودہ حالات اور ہماری ذمہ داریاں'' محلہ گلبرگ میں ہوا۔ تقریباً ایک گھنٹہ دورانیہ کا یہ خطاب ۴۰ احباب نے سنا۔ موصوف نے بتایا کہ اس دور میں مغرب کا اصل ہدف اسلام کے خلاف کارروائی ہے۔ موجودہ حالات میں ہمیں چاہئے کہ سچے دل سے توبہ کریں اور قرآن کی دعوت کو عام کریں۔ اس کام میں معاشرے کی طرف سے جو بھی تشدد ہو اسے برداشت کریں اور ایک مطالباتی تحریک کے ذریعے اس ملک سے منکرات کا خاتمہ کروائیں۔ اس خطاب کے بعد جناب مختار حسین فاروقی واپس جھنگ چلے گئے۔

(مرتب: خلیل الرحمٰن)

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی!

بقیہ: اداریہ

۵۔ طالبان حکومت کے خاتمے، افغانستان میں موجود جہادی گروپوں کو وحشیانہ بمباری کے ذریعے کچلنے اور افغانستان میں اپنے قدم جمانے کے بعد امریکہ پاکستان کی سرزمین سے جہادی عناصر کو ''پاک'' کرنے اور کشمیر میں برسرجہاد گروپوں سمیت تمام جہادی تنظیموں کا خاتمہ کرنے کے اسرائیلی ایجنڈے کی تکمیل میں مصروف ہے۔ چنانچہ بھارت کے ذریعے دباؤ ڈلوا کر اب یہ کام اس مطلق العنان اور سیاہ و سفید کے مالک پاکستانی صدر کے ہاتھوں کروایا جارہا ہے جو کل تک جہاد کشمیر کو زندہ کرنے کا تمغہ اپنے سینے پر سجائے پھرتا تھا۔

۶۔ دہشت گردی کے خاتمے کی آڑ میں انسانی تاریخ میں ''فساد فی الارض'' کا یہ سب سے بڑا مظاہرہ جس کا آغاز افغانستان پر امریکی بمباری سے ہوا، دراصل اس بھیانک یہودی ایجنڈے کا حصہ ہے جس کا اصل مقصود مشرق وسطیٰ میں گریٹر اسرائیل کا قیام اور مسجد اقصیٰ کی جگہ ہیکل کی تعمیر کا پروگرام ہے جس کے لئے عرب ممالک میں موجود جہادی جذبے سے سرشار طبقات کو کچلنا ناگزیر ہوگا تاکہ اسرائیل پورے اطمینان کے ساتھ اپنے ناپاک عزائم کو عملی جامہ پہنا سکے۔ اسی منصوبے کی تمہید کے طور پر افغانستان اور پاکستان کے جہادی گروپوں کی سرکوبی کے لئے یہ سارا ڈرامہ رچایا گیا تھا۔ یہاں سے ان قوتوں کے مکمل خاتمے کے بعد ہی بقول صدر بش مشرق وسطیٰ میں ''قیام امن'' کی راہ ہموار ہو سکے گی۔

تازہ ترین خبروں میں سب سے زیادہ رسوا کن خبر یہ ہے کہ پاکستان نے امریکی فوجیوں کو پاکستانی سرحدوں کے اندر داخل ہو کر کارروائی کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ اسلام کے نام پر بننے والی اس پاک سرزمین پر بے وفا، بدعہد اور طوطا چشم امریکہ کو دراندازی کی کھلی چھٹی دے دی گئی ہے۔ کوئی رسوائی سی رسوائی ہے۔ کیا ہم نے قومی سطح پر خودکشی کا تہیہ کر رکھا ہے......!!oo

reflection of current power realities, why does the Security Council still reflect the power balance at the end of World War II? Why is the Islamic World as a whole not represented in the Security Council with the same right to veto as comparatively less powerful states such as the United Kingdom? The missing word "united," from the Muslim world is probably making the whole difference.

Of course, the world body should reflect the prevailing power imbalances, as one of the major failings of the League of Nations was that it did not mirror the changing global political balance in the 1920s and 1930s. The question is: For how long would the US and its allies maintain and sustain the puppet regimes of their liking in these Muslim states to suppress the will of 1.2 billion people? A totally democratic UN certainly is utopian. However, democratising the UN is one of degree, rather than of kind. Democracy is not an end in itself; rather a more democratic UN would be a means to render the UN more effective in any given crisis situation. If the Muslims do not see the UN addressing their problems in no other way than distributing blankets and food after the US bombing and sanction, they would have no other option but to decide quitting it altogether and live without its gifts and benedictions.

The undemocratic form is nowhere more clearly evident than in the make-up of the most important UN organ, the Security Council (SC), which bears the chief responsibility for maintaining international peace and is the only body with the power to make decisions binding on all member-states. But it remains a prisoner of the past in its permanent membership that reflects the balance of power in 1945. If the world wants the UN not to follow the League to Nation to its grave, this issue needs to be addressed on the urgent basis.

International stratification is never rigid and permanent, and states are upwardly or downwardly mobile. A static permanent membership of the SC clearly undermines the logic of the status, thereby diminishing the authority of the organisation and breeding resentment not only in claimants to the ranks of the great powers but those who are suffering at the hands of the permanent five.

The big five contend that the SC is organised on the principles of responsibility and capacity, not representation. This argument is fallacious in the extreme: where is the show of that responsibility in the Israeli-Palestinian conflict? Who paid any attention to the UN resolutions on Kashmir? Who is exploiting the UN resolutions of terrorism and using them for some other foreign policy objectives. These are not the examples of responsibility. As for the capacity is concerned: Why is Islamic World as a bloc not represented in the SC, while countries like Britain and France are?

The UN was supposed to act more or less in the interests of its global constituency. At present this would necessarily mean a UN freeing itself from US domination. Instead of allowing the US to take unilateral actions and violate others' sovereignty, under Article 47 of Chapter VII of the Charter of the UN a military staff committee is supposed to be established in order "to advise and assist the Security Council on all questions relating to the maintenance of international peace and security, ... and the regulation of armaments and possible disarmament."

The military staff committee needs to be made up of the "Chiefs of Staff of the Permanent Members of the Security Council or their representatives and is to be made responsible under the Security Council for the strategic direction of any armed forces placed at the disposal of the Security Council (A 47.2 – A 47.4, Chapter V11 of the Charter of the UN)." In other words, any enforcement action undertaken by the UN requires a military staff committee to be established which would be in charge of any military action embarked upon. Under this explanation the Gulf war was illegally authorized and the enforcement of no-fly zones is naked aggression against a member state. Similarly presence of the US, UK or Russian military forces on the ground in Afghanistan is also a violation of the concept of peacekeeping of any force authorised by the UN. Where are the blue berets? Instead there is the occupation force keeping law and order in Afghanistan.

US hegemony can also be seen in the subversion of the UN to the cause of punishing Libya, Sudan and Iran. Such incidents highlight the need for the UN to be a global forum of equals where the UN serves the interests of all its constituents and not only the interests of the most powerful. At present, the UN is constituted as fundamentally undemocratic – representing the will of the powerful. How can the majority of UN Muslim member states in particular feel comfortable with a world body which refuses to give them an effective voice and which patently acts against their interests?

How are more than one billion of the world's Muslims supposed to react to the UN when it accepts Islamic law in Saudi Arabia but disregards it in Somalia and Afghanistan, takes punitive measures against Libya in defiance of various international legal conventions and its own Charter but allows US and Israel to carry on their terrorist activities, and its leading members (notably France) encourage a dictatorial junta in Algeria to annul the results of a democratic election?

The world organisation needs to cease to be the embodiment of the mighty or the Muslim countries need to cease to be its members any more. It has to reverse the normal pattern of US-dictated solutions and put in place negotiated settlements much more even handed than what the US administration wants. If the UN fails to become more democratic and more assertive, the day is not far away when most of the member states would withdraw, leaving Washington with no chance to take advantage of using its clout, and the UN would cease to be the goose laying golden eggs for the US as and when the US needed it to lay on special occasions. At the moment all the Muslims, however, wonder about the role of the UN. Is it an oppression legitimizing agency? Does it know how to end a conflict that it approves to begin? Does it exist after all, and if it does, where is it while two nuclear powers are on the brink to a nuclear war?

تلخ وشیریں

عالمگیر سروے

ایک عالمگیر سروے کروایا گیا تھا جس میں کہا گیا کہ ''پلیز! باقی دنیا میں خوراک کی کمی کے بارے میں ہمیں اپنی رائے دیجئے''۔ لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ سروے کرنے میں یہ مشکلات درپیش تھیں:

☆ افریقہ میں کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ ''خوراک'' کسے کہتے ہیں۔

☆ مغربی یورپ والے یہ نہیں جانتے تھے کہ ''کمی'' کیا ہوتی ہے۔

☆ مشرقی یورپ میں ''رائے دینے'' کا کوئی تصور نہ تھا۔

☆ جنوبی امریکہ میں لفظ ''پلیز'' اجنبی تھا۔

☆ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ''باقی دنیا'' کا کوئی تصور نہ تھا۔ (ڈان/سنڈیکیشن سروسز، ۲۲ جولائی)

View Point

Abid Ullah Jan.
(E-mail: abidjan2@psh.paknet.com.pk)

Where Is The UN?

All the major Western armies are marching towards Somalia without even informing the UN. American bombers are bombing villages in Yemen without a UN's approval. Despite UN resolutions, no efforts have been made to resolve the crisis between India and Pakistan. Instead, India has been given a green signal to humble Pakistan's offensive capabilities. Palestinians are being forced to fully submit to the Israeli will. The US doesn't want any UN involvement in the Israeli-Palestinian conflict. And village after village is being flattened by the US war plans in Afghanistan for which there is no provision under any of the UN resolutions. How does the UN become so irrelevant with regard to some issues and how suddenly every word of its resolutions become a sacred text from heavens is beyond comprehension of the common man in the Muslim world.

These days the UN seems to be non-existent -- existent, however only for enforcing sanctions against Iraq, or convening a meeting on the Palestinian issue only for the US to veto it. The UN was very effectively doing its sanctions enforcement job till the fall of the Taliban government. And now the role of Security Council has been further reduced to approving freeze on the assets of Pakistani scientists and industrialists. What a pity!

While asking the UN to approve international observers for the occupied Arab territories, the Palestinian officials were fully aware of the fact that their entreaty was an exercise in futility. Similarly, Pakistani officials indicated a few times they want the UN to diffuse tensions with India. But deep in their heart, they know that like many other powerless nations they have no other option. Pakistan cannot respond to the Indian accusations the way the US would respond to anyone threatening it the way the India browbeat Pakistan. Palestinians cannot respond the way the US would if someone occupy its land and subjugate its people and then tell them to fully submit yourselves before we discuss your future. The only other saviour that comes to mind of such helpless nations for complaining about the violations of international law by the US sponsored regimes is the UN, whose inability to act on behalf of the weak calls into question the significance and relevance of its existence.

The weak nations believed that with the end of the Cold War, the UN would finally become free of the super-powers deadlock that had prevented it from carrying out its main purpose. The UN itself, however, became the first casualty of the post-Cold War era. The UN was exploited to escalate the Persian Gulf conflict and this was presented to the world as the beginning of a "new world order," where the UN would play the leading role in ending the conflicts of the world. If we look at the composition of the Security Council and the US actions since 1990, we find that the Security Council that has become an extension of the State Department does not in any way reflect a universal purpose. In the post September 11 era, the only universal purpose before it seems to be the total dominance of the US, which seems to have obtained a licence to attack any country, overthrow any government and impose any kind of set it may like. How naïve it is to expect that no one in the Muslim World understands that the UN has enforced a plan hatched in Washington on Afghanistan in Bonn. Everyone understands but the time is not ripe for saying adios to the UN.

Recent events have proved that the UN not only lacks the capability to handle critical issues but also it has become a hostage to the US blackmail. It has lost its envisaged utility. The UN has been perfectly sidelined on the issue of Middle East conflict. It doesn't have a say in the US and British affair of maintaining sanctions against Iraq and subjecting it to the regular military strikes. Kashmir has been put on the back burner and it has no role except endorsing NATO's action in former Yugoslavia. The UN inspectors spied for the US and the UN has given qualified support to the Algerian military-backed government in its efforts to combat the opposition forces. Can we expect any good of the UN any more?

The US is not going to listen to the complaints of Muslim masses any more. It would keep on drooping missiles on our soil and using our airspace and territorial waters against our will. The UN cannot do anything about it because the puppet regimes have authorised the US to do so against the will of their people. Proponents of the UN are quick to point out its successes in the fields of health care, education, human rights, and in the political domain. But there is a long list of failures - Afghanistan, Palestine, Somalia, Sudan, Bosnia, Kashmir and Angola along its failure to act in Rwanda, Burundi and Algeria. By the end of 1993, 53 wars were being waged in 37 countries across the globe. One of the main reasons for its failure is its undemocratic structure that can bring its doom sooner than expected.

Muslims are the most disadvantaged and the least represented lot on the face of the earth these days. Most of the problems around the globe are due to their lack of voice and international support for their just causes – so just that numerous UN resolutions are pending for implementation. Giving any representation to the Muslims does not even appear in the contemporary debate. There was no need for it, provided all the issues were not related to the Muslims and in all cases they were not the victims. The much vaunted democracy runs out of gas at the doors of the UN. No one argues that a democratic UN would necessarily see a more effective world body; better able to serve the interests of all its constituent members. A good yardstick with which to measure the level of democracy inside the UN is to analyse it in terms of broad-baseness, transparency and accountability.

The key areas for reforms are: the democratic appointment of the Secretary-General; the lack of representation in the Security Council; the need for some form of accountability in the relationship between the Security Council and the General Assembly; the necessity to limit American influence inside the world body. Those who dominate the UN argue that UN is a supranational and supra legal entity and there can be no talk of democratising the UN in an undemocratic world; after all the UN is simply a reflection of existing power inequities. If the UN is simply a

an element without which it instantly expires. But it could not be less folly to abolish liberty than it would be to wish the annihilation of air, which is essential to all life, because it imparts to fire its destructive agency. What we are experiencing in the Muslim world these days are attempts to abolish liberty, which is essential to political life, because it nourishes opposition to domination and interference from outside.

The second expedient is as impracticable as the first would be unwise. As long as the reason of man continues fallible, as he is at liberty to exercise it, different opinion will be formed. As long as the connection subsists between his reason and his self-love, his opinions and his passions will have a reciprocal influence on each other; and the former will be objects to which the latter will attach themselves. The diversity in the faculties, cultures and religious background are not less insuperable obstacles to a uniformity of interests. A woman in Kabul can never feel and act like a woman in Kansas. The protection of centuries old values and faculties is the first object of independent governments, which is being taken away by the post-September 11 trends.

The latent causes of resistance are thus sown in the nature of man; and we see them everywhere brought into different degrees of activity, according to the different circumstances of civil society in different countries. A zeal for different opinions concerning religion, government and many other points have, in turn, divided mankind into parties, inflamed them with mutual animosity, and rendered them much more disposed to vex and oppress each other than to co-operate for common good, particularly if that common good is envisaged by a party whose hands are bloodied with innocent blood and is generally regarded as a globo-bully. So strong is this propensity of making to fall into mutual animosities, that where no substantial occasion presents itself -- like occupation of Palestine, Kashmir, sanctions against a country for 12 years and stationing foreign forces in the heartland of Islam and elsewhere -- the most frivolous and fanciful distinctions have been sufficient to kindle their unfriendly passions and excite their mutual conflicts.

The regulation of these various and interfering interests forms the principle task of national and international legislation, and involves the spirit of party and groups in the necessary and ordinary operations of the government and the world. But international law has been perfectly sidelined in the post September 11 era. This is the time, when might is perfectly right. There is no need for negotiations and there is no need to present evidence to prove an allegation. There is no third option other than doing, what the weaker is told by the mighty, or dying.

No man, or nation, is allowed to be a judge in his own cause, because his interest would certainly bias his judgment, and, not improbably, corrupt his integrity. In the changed world, nations like India, Israel and the US are both judges and parties at the same time. At the national level, there could be instances where it would not be possible to remove the causes that split people into factions, like the clash of interest between domestic and foreign manufacturers, or apportionment of taxes on various descriptions of property. An enlightened statesman would be able to adjust these clashing interest and control their effects. However, it would be a folly if a nation start dictating the world with the fond hope that it can eradicate all resistance to its unjust policies simply by controlling its effects.

Even at the national level, permanently sidelining the "extremist elements" is not the answer. If they are really "less than a majority," relief shall be supplied by giving them due representation, which would enable the "majority," if it indeed is in majority, to defeat their "sinister" views by regular vote. It may clog the administration, it may convulse the society; but if they were really in minority, they would be unable to execute and mask their violence. Who knows if the minority is the ruling class or it is the groups protesting in the streets or languishing in prisons, except when both of them are given equal opportunity to compete. Instead of securing foreign interests, our great objective should be to form truly representative and popular governments for securing the public good and private rights against the danger of the minority -- either in power or in the streets. And it should be the great object to which our inquiries are directed. It is this great desideratum by which the Muslim governments can be rescued from the opprobrium under which they have so long laboured. Only supporting transition of the Muslim societies to such kind of governments and eradicating the causes of mistrust can save the West from the future threat of terrorism.

It is wrong to assume that the US, India or Israel would be kicking Muslim leaders around, they would be implementing their policies, and still "majority" of the population would love to live under such tyrannies. Just like rejecting all forms of terrorism, we have to reject all forms of extremism and set the limits and standards to find out if it is the ruling class or the ruled that is extremist. Claiming to be in majority, doesn't justify crimes committed by the ruling group. Every kind of imposed governments would forever remain spectacles of turbulence and contention, breeding resistance and rage against the sponsors of such regimes. Interests and security of the imposed governments would forever remain incompatible with the rights and security of its subject.

There is no denying the fact that the US cannot indefinitely sustain puppet regimes in other countries. And its also a reality that more and more people feel in countries like Afghanistan, Pakistan, Egypt, Saudi Arabia, etc. that they are not being ruled from within. The more the desperation gets deeper in the Muslim societies, the more the chances are that a flame kindled by any leader like Osama bin Laden would spread a general conflagration. The US still has time to look at the trends it has set during the last four months, try to understand the pain that we feel in the Muslim world, and patiently review its policies than shedding any more blood in its war on human nature against all the laws of nature.

غیر مسلموں کے لئے ترجمہ قرآن

غیر مسلموں تک قرآن مجید کا پیغام پہنچانے کے لئے سادہ، رواں، بامحاورہ اردو ترجمہ مختصر تعداد میں شائع کیا گیا ہے۔ غیر مسلم ۱۰ روپے کا ٹکٹ بھیج کر مفت منگوا سکتے ہیں۔ ہر آیت کا ترجمہ الگ ہے۔ عام مسلمان بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور ۴۸۰ صفحے کی کتاب جس کی قیمت ۱۰۰ روپے (اور ۱۰ روپے ڈاک) بھیج کر منگوا سکتے ہیں۔

لفٹیننٹ کرنل ایوب خان

۲۹۴ ایکسٹنشن کیولری گراؤنڈ لاہور کینٹ

Abid Ullah Jan
(E-mail: abidjan2@psh.paknet.com.pk)

United States vs. Laws of Nature.

The US intention to stay in the region for a long time to come is reflected from the New York Times' (January 05, 2001) editorial comment that Afghanistan need "sustained American aid, diplomacy and military presence." The US and its allies are assuring the world that they intend to make the post September 11 era free of terrorism, hatred and violence. We hope they succeed in their stated noble mission. However, a look at the events of the past three months is sufficient to give us a glimpse of the horrible implications of the dangerous trends set by the US, which have been quickly emulated by others like India and Israel.

A quick look at the following headlines reveals that the US is out to eradicate anyone who opposes what it proposes for every individual, every country and the whole world. For this purpose it has started going to all extremes. The identical patterns in the newly established trends are as follows:

On the Afghan front: Taliban were accused with Osama without any proof. "Taliban's plea: don't punish us," (Reuters: Sep. 14, 2001) was rejected. "Mulla Omar called on the US for patience in its demands," (RFE/RL, Prague, Sep. 19), but to no use. "Bush rejected the Taliban's offer to ask Osama bin Laden to leave Afghanistan voluntarily." (AP, Sep. 21). They mighty kept on warning: "we will defeat you," (CNN, Sep. 21). At last, the "Taliban Offered to Detain bin Laden, [but] Bush administration quickly rejected the Taliban proposal. The president's demands are clear and nonnegotiable," said White House spokesman Scott McClellan," (AP Oct. 06). "Bush rejected as 'non-negotiable' an offer by the Taliban to discuss turning over Osama bin Laden if the United States ended the bombing in Afghanistan," (CNN, Oct. 14). The Taliban had to go, and they are gone.

On the Middle Eastern Front: Israel right away declared, "Arafat era is over," (AP, Sep. 19). "Sharon rejected US effort at Israel's expense," (Middle East Times). "Bush snubed Arafat on 'terrorists'...and refused to meet him at a UN meeting in New York," (CNN, Nov. 09). "Sharon rejected EU bid to start implementing the Mitchell plan," (Dec. 02). "Arafat facing growing pressure," (CNN, Dec. 04.) "Arafat asks for chance to stop terrorists," (CNN, Dec. 05). "Bush says Arafat must 'rout out' terrorists," (CNN, Dec. 06). "Mission impossible: The UN Security Council adjourned a closed-door session without taking action on a Palestinian-backed resolution calling for international observers," (CNN, Oct. 14). "Shots fired at Hamas chief's home by the Palestinian security forces," (CNN, Dec. 20). Israeli wanted Hamas declaration of an end to resistance, and it got it with the use of terrorism as a tool.

On the South Asian Front: "Pakistan wants evidence and offers talks...Vajpayee rules out talks with Pakistan" (AP, Nov. 08). "India shuns Pakistan talks offer (CNN, Dec. 29). "Vajpayee under pressure to take action," (CNN, Dec. 14). "India vows to crush 'terrorists'," (CNN, Dec. 14). "Pakistan arrests leader tied to Dec. 13 attack," (CNN, Dec 30). "Arrests cool India-Pakistan rhetoric" (CNN Dec. 31). "Pakistan raids target militants... Police raided mosques, homes and militant bases across Pakistan early Saturday, picking up 200 Islamic militants as President Pervez Musharraf pursues extremist groups," (CNN, Jan. 05). The objective was to stop Pakistan's support for the Kashmiri freedom fighters and it is achieved like its throwing the Taliban baby with the bath water.

What we observe is the indignity of arm-twisting into accepting demands of the powerful. The weak doesn't have any right to ask for the evidence for which it is punished. The weak is not allowed to question the wisdom and fairness of the new international justice. The weak has simply to surrender its people, its sovereignty and whatever little authority is available at its disposal. The only difference in the situation at the three fronts is that having failed to make their logic work, the Taliban were finally struck ferociously and dislodged. They are still being hunted and killed against the international ethics and laws of war. On the South Asian front, Pakistan's support for Kashmiri freedom fighters is neutralized. It is expected that shortly after crushing the uprising, India would refuse to concede any mechanism of self-determination for Kashmir. Instead, elections would be held to grant a modicum of autonomy for declaring the conflict officially closed. Musharraf is expected to suppress "militant outfits," and hand over the country to an elected government, which would forever remain under the able guidance of its all-wise military. On the Middle Eastern front, the US and its allies expect that with the help of Arafat, Hamas, Islamic Jihad, Amal and Hizbullah, all would be perfectly neutralized in the near future. The plan is to vacate a few Jewish settlements in the occupied West Bank and Gaza for a limited number of Palestinian refugees, give Palestine Authority only civic control of the Al-Aqsa mosque and concede sovereignty over Jerusalem to Israel for formalising it as its eternal capital.

This rosy scenario of capping "Islamic revival," eliminating the fear of "Talibanisation" and "Islamic fundamentalism" excludes from the computation some crucial factors, which would make the way much harder for the US to reach this hypothetical paradise than expected.

The grand misconception on which the post September 11 strategies are based is that only a fraction of the population in the Muslim world is responsible for creating problems and offering resistance to the US dominated world, and that an all out war on these groups of "extremists" and "militants" would help the powerful rule the world just the way they like.

The US planners know very well that they are not against a "minority" in the Muslim world. However, they console themselves with the idea that a non-violent protest that is echoed almost everyday in every Muslim household is not a threat as long as there are no "cowards" to register desperate protests in the form of September 11 attacks. There are two methods of curing the "mischief" of Al-Qaeda like factions: the one by removing the causes; the other by controlling its effects. There are again two methods of removing the causes that led to the creation of such groups; the one by destroying the liberty which is essential to their existence; the other, by giving to every citizen of the Muslim and Western countries the same opinions, the same passions, and the same interests.

The first remedy, that the US and its allies have chosen, is worse than the "disease." Undoubtedly, liberty to resisting groups is what air is to fire,

Vol: 11 Regd.CPL No.127 No.2

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

تبصرۂ کتب

نام کتاب: نصابِ زندگی
مؤلف: اشفاق الرحمٰن خان شیروانی
قیمت: ۶۰ روپے
ملنے کا پتہ: 2-51 ڈی' ماڈل ٹاؤن' لاہور

۱۹۲ صفحات پر مشتمل یہ کتاب اسلامی انداز میں زندگی گزارنے کے لئے مفید معلومات مہیا کرتی ہے۔ اس میں درج ہدایات اور راہ نمائی مؤلف کے خلوص و اخلاص کا منہ بولتا ثبوت ہیں کیونکہ انہوں نے تمام باتیں اسوہ حسنہ سے لی ہیں۔ اکثر و بیشتر احادیث ہی بیان کی ہیں جن سے ان اسلامی تعلیمات کو سند کا درجہ حاصل ہو گیا ہے۔ حصہ اول کا عنوان ''حقوق اللہ'' ہے جس میں ارکانِ اسلام کی اہمیت کو قرآن و حدیث اور تعامل صحابہ کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے۔ نماز کی پابندی کی اہمیت شایان شان انداز میں واضح کی گئی ہے۔ اسی طرح روزے' زکوٰۃ اور حج کی اہمیت واضح کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی ادائیگی کا طریقہ اور ضروری مسائل بھی بیان کر دیئے گئے ہیں۔ مؤلف نے فروعی اور اختلافی مسائل میں غیر مقلدین کے انداز کو اختیار کیا ہے۔ حج کا ذکر کرتے ہوئے ''اپنے گھر سے بیت اللہ تک'' کے عنوان سے سید ابوالحسن علی ندویؒ کا ایک جامع اور عظیم الشان مضمون بھی شامل کر دیا ہے۔ یہ مضمون اپنے عنوان پر اس قدر موثر ہے کہ کوئی صاحبِ حیثیت اگر اسے توجہ کے ساتھ پڑھ لے تو حج کا ارادہ کئے بغیر نہ رہ سکے گا۔

حصہ دوم میں حقوق العباد کا بیان ہے جس میں معاشرے کے تمام طبقوں کے حقوق اور ان کی ادائیگی کا ذکر بڑے موثر انداز میں قرآن وسنت کی روشنی میں کیا گیا ہے۔ دائمی اوقات نماز کا نقشہ بھی کتاب کے آخری صفحات میں شامل کر دیا گیا ہے۔ روزمرہ معاملات کے بارے میں مفید معلومات پر مشتمل یہ کتاب خاصی افادیت کی حامل ہے' البتہ کمپوزنگ کی غلطیاں جگہ جگہ موجود ہیں جن کو دور کرنے کی ضرورت ہے۔

نام کتاب: سراغ زندگی
مولف: مولانا عبدالقیوم حقانی
ضخامت: ۱۶۰ صفحات
قیمت: ۶۰ روپے
ملنے کا پتہ: القاسم اکیڈمی' جامعہ ابوہریرہ' خالق آباد' سرحد' پاکستان

سنجیدہ مطالعے کا یہ معروف اور مستحسن طریقہ ہے کہ پڑھنے والا نوٹس لیتا جائے یادداشتیں لکھتا جائے۔ سراغ زندگی میں بھی مولف نے مختلف شخصیات کے حالات زندگی کا مطالعہ کر کے حاصل مطالعہ کو یکجا کر دیا ہے۔ ان شخصیات میں مولانا ابوالکلام آزاد' شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی' مولانا محمد علی جوہر' مفتی کفایت اللہ اور مولانا محمد یوسف بنوری شامل ہیں۔

ظاہر بات ہے کہ بڑے لوگوں کی باتیں بھی بڑی ہوتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ حکمت مومن کی گمشدہ چیز ہے جہاں وہ پائی جائے مومن اس کا زیادہ حقدار ہے۔ مردان کار کے الفاظ اور اعمال بڑے وزنی ہوتے ہیں۔ یہ ذہنوں کو متاثر کرتے اور صحیح راہ پر چلنے کے دوران آنے والی مشکلات کو برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا کرتے ہیں۔ دانش مند لوگوں کا کہنا ہے کہ بڑے لوگوں کی سوانح حیات کا مطالعہ کرنا کردار سازی کے لئے بہت ضروری ہے۔

اس کتاب میں مولف نے جو خود ایک بڑے عالم دین اور معروف عالم دین کے فرزند ارجمند ہیں' بڑوں کی باتیں تلاش کر کے سلیقے کے ساتھ یکجا کر دی ہیں۔ مولانا ابوالکلام کا ذوق مطالعہ معروف ہے وہ لکھتے ہیں ''علم کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ انسان کو مجلّٰی کرتا ہے اور فرش سے اٹھا کر عرش پر لے جاتا ہے۔'' نیز وہ لکھتے ہیں کہ ابن رشد کی زندگی میں صرف دو راتیں ایسی گزریں کہ وہ مطالعہ سے باز رہا ایک نکاح کی رات۔ دوسری وہ

(باقی صفحہ ۲ پر)

کراچی میں رفقاء کے خصوصی اجتماع سے امیر محترم کا خطاب

الحمدللہ' افغانستان پر امریکی جارحیت کے موقع پر طالبان سے تعاون کے لئے رفقاء تنظیم نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ان میں سے اچھی خاصی تعداد نے عملی طور پر اس جہاد میں حصہ لینے کی پیشکش بھی کی۔ چنانچہ طالبان حکومت کے خاتمے کے بعد ان میں مایوسی کا پیدا ہونا ایک فطری امر تھا۔ مزید برآں' میڈیا کے ذریعے کئے جانے والے گمراہ کن پروپیگنڈے کے حوالے سے انہیں سوالات کا سامنا ہے۔ اس تناظر میں ضروری تھا کہ اس معاملے میں ان کی رہنمائی کا اہتمام ہو۔ امیر محترم کے ماہِ جنوری کے دورۂ کراچی کے دوران رفقاء کا خصوصی اجتماع ۵ اور ۶ جنوری کو منعقد ہوا' جس میں حلقہ سندھ (زیریں)' حلقہ سندھ (بالائی) اور حلقہ بلوچستان کے رفقاء شریک ہوئے۔

اجتماع کا آغاز ۵ جنوری کو بعد نماز عصر حلقہ سندھ (زیریں) کے امیر جناب محمد نسیم الدین کی افتتاحی تقریر سے ہوا جس میں انہوں نے پروگرام کی غرض و غایت اور اس کا فارمیٹ پیش کیا۔ فلائٹ میں تاخیر کے باعث امیر محترم ناظم اعلیٰ جناب ڈاکٹر عبدالخالق کے ہمراہ رات اس وقت تشریف لائے جبکہ رفقاء قرآن اکیڈمی میں اظہارِ خیال کر رہے تھے۔ نشست کے اختتام پر امیر محترم کی خواہش پر ان کی خدمت میں رفقاء کی جانب سے اٹھائے جانے والے سوالات کے نوٹس بنا کر پیش کئے گئے۔ ۶ جنوری کو بعد نمازِ فجر جناب شجاع الدین شیخ نے مختصر درسِ حدیث دیا۔ ساڑھے آٹھ سے ساڑھے دس بجے تک جناب اعجاز لطیف نے رفقاء کی تربیت کے لئے ایک منفرد نوعیت کا پروگرام پیش کیا' جس میں رفقاء کو قطاروں میں بٹھا کر ان سے سوالات کئے گئے اور درست جوابات دینے والوں کو پروگرام کے آخر میں انعام کے طور پر کتابچے پیش کئے گئے۔ سوالات عبادتِ رب' شہادت علی الناس اور اقامتِ دین اور احیائی گوشوں سے متعلق تھے۔ گیارہ بجے امیر محترم کا خطاب شروع ہوا۔ انہوں نے فرمایا کہ اصلاً تو صرف چار سوالات بنتے ہیں جو اہم ہیں: ۱) طالبان کی حکومت اسلامی تھی یا نہیں؟ ۲) اس حکومت کے دفاع کے لئے جدوجہد جہاد فی سبیل اللہ تھی یا نہیں؟ ۳) ہمارا ان سے تعاون جائز تھا یا نہیں؟ ۴) دفاع پاکستان و افغانستان کونسل کی رکنیت سے فوری طور پر دستبردار ہونا چاہئے یا نہیں؟ پہلے تینوں سوالوں کے جوابات امیر محترم نے اثبات میں دیئے البتہ چوتھے سوال کے جواب میں انہوں نے شرکاء کی رائے جاننے کے لئے ان سے ہاتھ کھڑے کروائے۔ اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ اس سلسلے میں اس پروگرام کے اختتام پر مقامی شوریٰ کا اجلاس ہو گا جس میں اس بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔ اس مشاورت میں حلقہ بلوچستان کے ذمہ داران بھی شامل تھے البتہ حلقہ سندھ (بالائی) کے امیر جناب غلام محمد سومرو اپنی علالت کی بناء پر پہلے ہی امیر محترم سے اجازت لے کر واپس جا چکے تھے۔

رفقاء سے خطاب کے دوران امیر محترم نے انہیں بتایا کہ اللہ کی مدد آزمائش سے مشروط ہوتی ہے۔ پورے مکی دور میں مسلمانوں پر کفارِ مکہ کی جانب سے شدید ذہنی و جسمانی تشدد کے باوجود اللہ کی مدد نہیں آئی۔ بعد ازاں' انہوں نے وہ اسباب بیان کئے جن کی بنا پر اللہ کی مدد نہیں آئی۔ ان میں طالبان کا مذہبی تشدد و تنگ نظری' عہد حاضر کے تقاضوں سے ناواقفیت' مطلق العنانی' ملا عمر کا اسامہ کے ہاتھوں یرغمال بن جانا اور ہماری حکومت کا منافقانہ و بزدلانہ کردار شامل تھا۔ تاہم انہوں نے فرمایا کہ اجتماعیت کو تو منافقانہ کہا جا سکتا ہے البتہ کسی فرد کو منافق کہنا درست نہیں۔ امیر محترم نے رفقاء سے کہا کہ انہیں حالات سے مایوس نہیں ہونا چاہئے بلکہ منہج انقلاب نبویؐ پر گامزن رہتے ہوئے اور نتائج کی پرواہ کئے بغیر اپنی جدوجہد جاری رکھنی چاہئے۔ انہوں نے فرمایا کہ طالبان حکومت کے خاتمہ کے نتیجے میں ان کے اس گمان کو تقویت ملی ہے کہ عالمی خلافت کا نقطۂ آغاز ان شاء اللہ مملکت خداداد پاکستان ہی سے ہو گا۔ دفاع پاکستان و افغانستان کونسل میں تنظیم کے آئندہ کردار کے بارے میں مشاورت کے بعد انہوں نے فیصلہ فرمایا کہ اب جبکہ اس کونسل میں شامل اہم جماعتوں کا رخ انتخابی سیاست کی طرف ہو گیا ہے اور اس مقصد کے لئے انہوں نے انتخابی اتحاد بھی ترتیب دے دیا ہے' ہم ان کے جلسوں وغیرہ میں شامل نہیں ہوں گے۔ (رپورٹ: محمد سمیع)